خطباتِ احتشام

جلد دوم

از

خطیبِ پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

[illegible] فون 4540513-4519240

خطباتِ احتشام

اجمالی فہرست

عرض ناشر

خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کی دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت موصوف کی شخصیت محتاج تعارف نہیں اللہ پاک حافظ اکبر بخاری شاہ صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائیں جنہوں نے محنت شاقہ سے ان خطبات کو جمع کر کے امت پر احسان عظیم فرمایا۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء

والسلام

محمد اسحٰق عفی عنہ

پیش لفظ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی علیہ الرحمۃ

نہ صرف ہندو پاک کی بلکہ بین الاقوامی متعارف شخصیت تھی۔ آپ کی تلاوت قرآن کا پرسوز انداز آپ کی خطابت کا ایمان افروز اسلوب آپ کی دل کش آواز آج بھی دل و دماغ میں گونج رہی ہے۔ اسی طرح آپ کا خاندان بھی دین و ملت کی جہت سے مقبول ہے۔ آپ کے والد بزرگوار جناب مولانا ظہور الحق صاحبؒ جید عالم تھے اور حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے حلقہ ارادت سے منسلک تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ بھی شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے بسلسلہ بیعت مستفیض تھیں۔

آپ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے بھی ہیں۔ حضرت تھانویؒ ہی کی تربیت اور توجہ کا اثر تھا کہ آپ کا شمار اکابر علماء میں رہا۔ آپ تھانہ بھون کے باشندہ ہیں آپ نے اٹاوہ اور مین پوری میں حفظ مکمل کیا حفظ قرآن کریم کے بعد میرٹھ کے مشہور مدرسہ عربیہ میں فارسی نصاب کی تکمیل کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور میں عربی کی ابتدائی تعلیم مکمل کی اس کے بعد ایشیا کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد مولانا نے دہلی میں قیام کیا۔ ماشاء اللہ ابتداء ہی سے مولانا کے دل میں دینی خدمات کا جذبہ موجزن تھا اسی جذبے کے تحت دہلی شہر کے مختلف مقامات میں دین کی خدمات انجام دیتے رہے۔ کراچی کی جامع مسجد کے آپ خطیب رہے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ایسی سعی فرمائی کہ بے شمار طلباء علوم دینیہ سے بہرہ ور ہو رہے ہیں اور بہت سے حافظ قرآن بنے ہیں۔

مولانا صاحب ہی کی کاوشوں سے پاکستان کے علاقہ سندھ میں دارالعلوم دیوبند
جیسی دینی درسگاہ قائم ہوئی جہاں ملکی و غیر ملکی طلباء زیر تعلیم ہیں اور وہاں کے فضلاء مختلف
ممالک میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ گویا آپ کی خدمات کا سلسلہ وطن سے چلا۔

۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوا تو دوست احباب کے تقاضے پر مولانا پاکستان ہجرت
فرما گئے۔ ویسے ان دنوں بھی مولانا کی آمد و رفت کا سلسلہ ہندوستان رہا ہے تاہم اس
درمیان ایک طویل مدت گذر گئی کہ مولانا کا سفر بھارت کی جانب نہیں ہوا تھا۔ جب
دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ کا انعقاد ہوا تو مولانا کا قطعی ارادہ تھا کہ وہ اجلاس میں
شرکت فرمائیں مگر اس سلسلہ میں اجتماعی کوشش کے باوجود تاخیر ہوگئی اور وہ دیوبند اس وقت
پہنچے جب کہ جشن صد سالہ ختم ہو چکا تھا۔

جنوبی ہندوستان کے علاقہ مدراس کے احباب سے مولانا کے قدیم مراسم تھے۔
جب مولانا کی تشریف آوری ہندوستان ہوئی ہے تو آپ کا سفر مدراس کی جانب رہا ہے۔

چنانچہ اب کی بار بھی مدراس کے دوست احباب کی دعوت پر مولانا نے یہاں کا سفر کیا
جس میں مدراس، آمبور، وانم باڑی، پیرنمبٹ، عمرآباد، کرشنگری، میل وشارم شامل ہیں۔ ان
شہروں میں آپ نے اپنے مواعظ سے سامعین کو محظوظ کیا۔ اس سفر کا پہلا وعظ مدراس کی مشہور
و معروف تبلیغی مرکز والی پیری میٹ مسجد میں ہوا۔

علاقہ مدراس سے واپسی پر اسی مسجد میں جمعہ کی شب آپ کا وعظ ہوا لیکن کسی کو یہ
معلوم نہ تھا کہ یہ وعظ مولانا کی زندگی کا آخری وعظ ہوگا۔

چنانچہ حسب پروگرام مولانا کا خطاب جمعہ میں طے تھا مولانا کے خطاب کی سماعت
کے لئے علاقہ مدراس اور شہر مدراس کے مختلف مقامات کے احباب تیاریوں میں مصروف تھے
لیکن آسمانی نظام کے مقابلہ میں یہ ارضی نظام بس ایک خواب تھا ادھر آسمانی نظام کے تحت
مولانا کی روح اطہر لینے کے لئے فرشتے مولانا کے اطراف و اکناف جمع ہو رہے تھے۔

چنانچہ بتاریخ ۱۱ اپریل ۱۹۸۰ء جمعہ کی صبح حرکت قلب بند ہونے کے سبب مولانا کی

روح اطہر جسد اطہر سے رخصت ہوگئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ان ہی لمحات میں چاروں جانب مولانا کے وصال کی خبر پھیل گئی جس پر آپ کے محبین و معتقدین عالم غم میں اس طرح گم ہو گئے جیسے قیامت بپا ہو لیکن معتقدین صبر و ضبط کا دامن تھامے ہوئے کل نفس ذائقۃ الموت اور الموت تحفۃ المؤمن کے پیش نظر آگے کی کارروائی میں کوشاں تھے۔ ادھر مولانا کی روح پاک کو فرشتے عرش بریں کی طرف لے چلے تو ادھر معتقدین مولانا کے جسد اطہر کو سرزمین پاک کی طرف لے چلے اور بذریعہ ہوائی جہاز آپ کے جسد اطہر کو کراچی پہنچا دیا گیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

ادارۂ ہذا کے تحت مولانا کی زندگی کے ان آخری ملفوظات کو پیش کرنے کی سعادت ہم نے حاصل کی ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کے بہت ممنون ہیں کہ حضرت اقدس نے اپنی مصروفیات کے باوجود اس سلسلہ میں ایک مقدمہ لکھا۔ اسی طرح مولانا عبدالکریم صاحب بنگلوری الرشادی کے ممنون ہیں کہ انہوں نے مولانا کے بیانات کی ترتیب دہی میں انتھک کوشش کی۔

اور ہم ان حضرات کے بھی ممنون ہیں جنہوں نے اپنے مفید مشوروں سے ہمیں نوازا۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

– از حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مولانا احتشام الحق مرحوم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے تھے اور میرے عزیز بھی ہوتے تھے اس لئے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی حقیقی بہن دیوبند میں ہمارے ہی خاندان میں بیاہی تھیں جن سے مولانا سعید احمد اور مولانا ظفر احمد رحمہما اللہ پیدا ہوئے یہ دونوں حضرت تھانوی کے بھانجے ہوتے تھے۔ اس طرح مولانا احتشام الحق مرحوم حضرت تھانوی کے علاتی بہن کے بطن سے تھے اور بھانجے ہوتے تھے۔ اس نے ان سے عزیز داری کی صورت تو تھی ہی جب وہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے کے لئے آئے تو اتفاق سے کمرے سب گھر چکے تھے اور کوئی جگہ رہنے کے لئے خالی نہیں رہی تھی تو میں نے دفتر اہتمام کے بالکل اوپر کا کمرہ جو دفتر اہتمام کا جزو تھا ان کے لئے خالی کرا دیا اور انہیں وہاں رکھا۔ مرحوم کئی سال دارالعلوم میں مقیم رہے اور نہایت نیک نامی کے ساتھ زمانہ طالب علمی پورا کیا فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ دہلی چلے گئے۔ ان کے بڑے بھائی دہلی ہی میں سرکاری ملازم کی حیثیت سے رہتے تھے۔ مولانا مرحوم بھی ان کے پاس مقیم تھے۔ قیام دہلی کے زمانے میں ان کا معمول تھا کہ تقریباً ہر دوسرے تیسرے ماہ مجھے نئی دہلی بلاتے اور گریجویٹوں کو جمع کر کے مجھ سے تقریریں کرواتے اور بہت مسرور ہوا کرتے تھے۔

۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان تقسیم ہوا تو ان کے بھائی اور گریجویٹ طبقے کے بکثرت افراد پاکستان چلے گئے۔ ممدوح بھی ان کے ساتھ پاکستان آگئے اور وہیں بس گئے۔ لیکن میرے ساتھ وہ قدیم تعلق بدستور باقی رکھا۔ مولانا موصوف کو قدرت نے ذکاوت و ذہانت سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ علمی استعداد ان کی اپنی محنت کا ثمرہ تھا۔ اس لئے اس ذہانت اور کسبی محنت نے مل کر

انہیں اونچا اٹھایا اور بہت جلد مقبول خواص وعوام بن گئے۔ درس وتدریس کا عرفی انداز میں مشغلہ تو نہیں رہا مگر وعظ وخطابت سے پاکستان کے باشندگان کو ان سے کافی نفع پہنچا۔ جیکب لائن کی جامع مسجد میں خطیب کی حیثیت سے ان کا فیضان عام ہوتا رہا اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ ان کے کلام اور اخلاق سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوا۔ آخر میں سیاسی امور میں بھی لوگ ان کی قیادت تسلیم کرنے لگے جس سے ممدوح ایک زعیم کی حیثیت سے بھی نمایاں ہوئے اور مقبولیت عامہ پیدا کر لی اور بحیثیت فاضل دارالعلوم ہونے کے ان کی خدمات پایۂ اعتبار وقبول کو پہنچتی رہیں۔

مرحوم بذلہ سنج اور لطیفہ گو بھی تھے جو طبعی ذکاوت کا خاصہ ہوتا ہے کراچی میں ایک صاحب اتفاق سے میرے سامنے آئے جنہیں بخار کی شکایت تھی کہنے لگے کہ بخار آ گیا ہے۔ میں نے کہا: "مبارک ہو! ہم تو مسلم ہی تھے آپ ماشاء اللہ مسلم ہونے کے ساتھ بخاری بھی ہو گئے اور یقیناً مولانا احتشام الحق سے بڑھ گئے"۔ مولانا احتشام الحق برجستہ بولے کہ "نہیں جناب! آپ اگر مسلم اور بخاری ہیں تو میں الحمد للہ مسلم و بخاری ہونے کے ساتھ نسائی بھی ہوں۔ کیونکہ کبھی کبھی بخاری بھی ہو جاتا ہوں۔ اس لئے مجھ میں تین وصف ہیں۔" بہر حال عملی طور پر بذلہ سنج اور لطافت گو تھے۔ حضرت اقدس مولانا تھانویؒ کے مواعظ پر کافی نظر تھی اور کہا کرتے تھے کہ حضرت کے چالیس وعظ مجھے تقریباً از بر ہیں۔ بہر حال علمی استعداد طبعی ذکاوت حضرت اقدس تھانویؒ کی نسبت اور ان کے مواعظ میں مہارت نے مل کر ان کی شخصیت کو بہت اونچا کر دیا تھا۔

دارالعلوم کے اجلاس صد سالہ کے سلسلہ میں دیو بند کے لئے روانہ ہوئے مگر ویزا ملنے میں دیر لگی۔ اس لئے اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔ ایک دن بعد پہنچے اطلاع ہونے پر میں ملنے کے لئے چلا تو معلوم ہوا کہ پاسپورٹ کی انٹری کراتے سہارنپور چلے گئے ہیں۔ وہاں سے شب میں کسی وقت واپس ہوئے ارادہ تھا کہ صبح کو ان سے ملوں گا۔ لیکن معلوم ہوا کہ ابھی شب میں جنگل ڈیم ایکسپریس سے مدراس کے لئے روانہ ہو گئے ہیں۔ ملاقات نہ ہو سکی جس کا افسوس رہا۔ طبعی طور پر خیال تھا کہ واپسی میں انہیں دیو بند آنے کے لئے لکھا جائے گا کہ اچانک مدراس پہنچ کر عالم آخرت کے لئے سدھار گئے اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی انا للہ و انا الیہ راجعون۔

پاکستان ایک اچھے ذہین وذکی عالم سے محروم ہو گیا۔ یہ اہل مدراس کی خدا ترسی اور اخلاص کا

جذبہ تھا کہ انہوں نے ہوائی جہاز کے ذریعہ نعش کو کراچی بھیجنے کا بندوبست کیا جس سے ان کے بہت سے اہل و عیال ان کی زیارت کر سکے اور اہل مدراس کے ممنون ان کے حق میں دعا گو ہوئے۔

عالی جناب آنریکار حاجی عبدالشکور صاحب مرحوم کے مکان پر قیام ہوا وہیں پر انتقال فرمایا۔ حاجی صاحب مرحوم کے نیک نہاد صاحبزادہ میاں شفیق احمد صاحب نے جب مرحوم کو کراچی پہنچانے کا بندوبست کیا وہاں انہیں دوامی طور پر مدراس میں رکھ لینے کا بھی ایک انوکھا بندوبست کر دیا اور وہ یہ کہ مولانا مرحوم کے مواعظ اور تقاریر کو جمع کروا کر ان کے چھپوانے اور شائع کرنے کا بندوبست اپنے ذمہ لے لیا جس سے ان کی باقیات صالحات کو مدراس میں رکھ کر پورے ملک میں پہنچانے کا سامان کر دیا۔ گویا مولانا کے بدن کو تو کراچی بھیج دیا اور ان کی روح کو مدراس میں رکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ اس عمل خیر پر عزیز شفیق احمد سلمہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی اس سعی کو مقبول فرمائے۔

امید ہے کہ مولانا مرحوم کے مواعظ سے لوگ مستفید ہو کر انہیں دعائے خیر اور ایصال ثواب سے یاد کرتے رہیں گے اور عزیز شفیق احمد سلمہ کو بھی دعوات صالحات سے فراموش نہ کریں گے جن کی بدولت یہ قیمتی ذخیرہ آج لوگوں کے ہاتھ لگ سکا ہے۔

میرے اس مختصر قیام مدراس میں مجھے مولانا کے مواعظ کا مجموعہ دکھایا گیا۔ ظاہر ہے کہ جب یہاں سے روانگی میں چند گھنٹے ہی رہ گئے ہیں تو اس مجموعہ کا مطالعہ ممکن نہ تھا۔ سرسری طور پر کہیں کہیں نظر ڈالی مگر جب کہ مواعظ سے زیادہ واعظ میرے ذہن میں متعارف تھے اور ان کی صحبتیں مستفیض تھیں تو مواعظ پڑھے بغیر بھی مواعظ کی رفعت و مقبولیت ذہن میں مستحضر رہی۔ جس سے تقریظ کے یہ چند کلمات لکھنے میں کوئی ادنیٰ تامل محسوس نہیں ہوا بلکہ ان کے تصور کے ساتھ یہ محسوس ہوتا رہا کہ گویا ان کے مواعظ میرے سامنے ہیں اور میں انہیں پڑھ کر ہی یہ تقریظ لکھ رہا ہوں۔

حق تعالیٰ اس عالم میں ان کے مراتب بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں مقام رفیع نصیب فرمائے۔ آمین۔

محمد طیب

رئیس جامعہ دارالعلوم دیوبند از بیل مال مدراس ۹ مئی ۱۹۸۱ء

انسان کی
منزلیں

خطاب نمبر ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و الہ و اصحابہ اجمعین۔

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
و سیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا حتیٰ اذا جآء وھا و فتحت ابوابھا وقال لھم خزنتھا سلٰم علیکم طبتم فادخلوھا خلدین وقالوا الحمد للّٰہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء فنعم اجر العٰملین وتری الملئکۃ حافین من حول العرش یسبحون بحمد ربھم و قضی بینھم بالحق و قیل الحمد للّٰہ رب العٰلمین (پ ۲۴ سورۃ الزمر ع ۵)
صدق اللّٰہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

آپ حضرات کو اعلان سے معلوم ہوا ہوگا کہ بعض دوستوں کی اور دیگر حضرات کی خواہش پر میں نے ایک اور مرتبہ مدراس کا سفر کیا ہے۔ گذشتہ رات میں یہاں پہنچا ان شاء اللہ مختلف نشستوں اور اجتماعات میں آپ حضرات سے ملاقات ہوگی۔

بعض دوستوں نے بتایا کہ یہاں جمعہ کی شب اجتماع ہوتا ہے جس میں کچھ مختصر سے پیرایہ میں دین کی باتیں پیش کرتے ہیں۔ میرے ذہن میں کوئی خاص مضمون تو نہیں آیا ہے البتہ

ذہن میں یہ بات آئی ہے کہ ہم سب حالت سفر میں ہیں ہر فرد اپنے اپنے طور پر سفر کر رہا ہے۔
ابھی میں دہلی سے مدراس پہنچا دہلی سے پہلے کراچی میں تھا کراچی سے پہلے پشاور میں تھا۔
اس کے بعد اور منزلوں کی تلاش اگر آپ کریں تو معلوم نہیں کہ اس سے پہلے میں کہاں تھا اور آئندہ مجھے کہاں کہاں جانا ہے۔

ویسے ہر انسان ہر حال میں سفر پر ہے انسان سفر کرے جب بھی وہ سفر پر ہے سفر نہ کرے جب بھی وہ سفر پر ہے۔

میں بھی مسافر ہوں آپ بھی مسافر ہیں آپ کے اس سفر میں میں بھی شریک ہوں جس کی منزلیں ایک ہی جگہ پر ایک ہی مقام پر بیٹھے بیٹھے ہم اور آپ طے کر رہے ہیں۔ مگر میرے اور آپ کے سفر میں کچھ فرق ہے میں ایسا مسافر ہوں جس نے مسافتیں طے کی ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ دوسری جگہ سے تیسری جگہ تیسری جگہ سے چوتھی جگہ۔

آپ کے سامنے اس سفر کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جس میں منزلوں اور مسافتوں کے طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک ہی مقام پر بیٹھے بیٹھے ہم مسلسل سفر کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ ہماری پہلی منزل کیا تھی اس کے بعد کونسی منزل آنے والی ہے واضح ہونا چاہئے۔

قرآن کریم نے ہمارے سفر کی ابتدا اور انتہا دونوں کا ذکر کیا ہے فرمایا گیا:

ولقد خلقنا الانسان من سللة من طين ثم جعلنه نطفة فى قرار مكين ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظماً فكسونا العظم لحماً ثم انشانه خلقاً اخر فتبٰرك الله احسن الخالقين (پ ۱۸ سورة المؤمنون ع ۱)

علامہ ابن جوزیؒ ایک بہت بڑے عالم گذرے ہیں انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مواسم العمر ہے۔ مواسم العمر کے معنی عمر کے موسم یا عمر کے اسٹیشن ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے لکھا ہے کہ عمر کے بہت سے موسم ہیں۔ جب عمر کا ایک موسم آتا ہے تو اس موسم کی آب و ہوا دوسرے موسم کی آب و ہوا سے مختلف ہوتی ہے اور اس موسم کے تقاضے بھی دوسرے موسم کے تقاضوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ غرض انسان کی عمر کے ہر موسم میں آب و ہوا بدلتی ہے اس کے تقاضے بدلتے ہیں اور انسان کا شوق بھی بدلتا ہے۔ اور

انسان برابر عمر کے ہر موسم سے گذر رہا ہے البتہ عمر کے ہر اسٹیشن پر ہر منزل پر انسان کی خواہشیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ معیار زندگی الگ الگ ہوتا ہے اور سب سے آخری منزل مومن کی وہ ہے جس کے لئے میں نے شروع میں قرآن کریم کی آیتیں پڑھی ہیں۔

جس میں فرمایا گیا ہے کہ مومن کی آخری منزل جنت ہے قرآن کریم نے اس بات کی بھی تصریح کر دی ہے کہ انسان کے سفر کی ابتداء شکم مادر سے ہوتی ہے۔

شکم مادر میں ہر چالیس دن کے بعد انسان کا اسٹیشن بدل جاتا ہے۔

جب قرآن کریم کا نزول ہوا تھا تو سائنس نے ترقی نہیں کی تھی جتنی کہ آج اس نے ترقی کی ہے۔ آج ہر چیز کی تحقیق کی جا رہی ہے۔ اسی طرح انسانی جسم کی اور انسانی منزلوں کی بھی تحقیق کی جا رہی ہے۔ مگر قرآن کریم تو آج سے چودہ سو سال پہلے ہی انسان کی مکمل حقیقت کو بیان کر چکا ہے کہ انسان شکم مادر میں ہر چالیس دن کے بعد ایک ایک منزل سے گزرتا ہے۔ اور ہر منزل دوسری منزل سے جدا ہوتی ہے۔ جب انسان شکم مادر کی تمام منزلیں طے کر لیتا ہے اور نو ماہ کی مدت بھی پوری ہو جاتی ہے تو ایک فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ چلو اب ہم تمہیں ایسے عالم میں لے جانا چاہتے ہیں جو اس عالم سے بہتر ہوگا۔ اس کال کوٹھری سے چلو یہاں تو روشنی نہیں ہے۔ ہوا کا انتظام نہیں ہے۔ ریشم و حریر کے کپڑے نہیں ہیں۔ پھول اور پھل نہیں ہیں۔ چلو ہم تمہیں ایسے عالم میں لے جائیں گے جہاں کا مکان یہاں کے مکان سے بڑا ہوگا جہاں روشنی ہوگی جہاں ہوا ہوگی جہاں پہنچنے کے بعد تمہیں نرم نرم کپڑے ملیں گے۔

مگر انسان شکم مادر میں کہتا ہے کہ یہ جو آپ کہہ رہے ہیں کہ وہاں روشنی ہوگی۔ ہوا ہوگی۔ مکان ہوگا۔ دودھ کی غذا ملے گی۔ ریشم کے کپڑے ملیں گے یہ تو صرف وعدے ہی وعدے ہیں۔

آپ کے وعدوں پر یہاں جو کچھ مل رہا ہے اُسے میں چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں۔ میں تو نہیں آؤں گا۔

یہ تو انسانی فطرت ہے کہ جو کچھ مل رہا ہے اسی پر وہ راضی رہتا ہے اور جس کے ملنے کا وعدہ کیا جاتا ہے اس سے انسان کا دل مطمئن نہیں ہوتا۔

انسان کہتا ہے کہ میں نہیں آؤں گا۔

مگر قدرت کا حکم مادر سے زبردستی کھینچ کر دوسرے عالم میں اسے لے آتی ہے۔ بلکہ دیکھئے جس وقت حضرت انسان دنیا میں آتے ہیں تو چیختے چلاتے شور مچاتے ہوئے آتے ہیں ایسے جیسے کہ ان کی ہفت اقلیم کی سلطنت چھین لی گئی ہو۔

بھلا ایسی کون سی دولت چھین لی گئی ہے کہ جس پر اس قدر شور و غوغا ہے۔ دراصل یہ رونا یہ شور اور یہ چیخ و پکار انسان کی پیدائش کی نشانی ہے۔

دنیا میں کبھی کوئی انسان ہنستے ہوئے پیدا ہوا ہو آپ نے نہیں دیکھا ہوگا لیکن پیدائش کی نشانی یہ چیخ و پکار ہی کیوں ہے؟ اس کی حقیقت بھی اللہ والے سمجھتے ہیں علماء نے لکھا ہے کہ انسان جب دنیا میں آیا ہے تو روتے ہوئے آیا ہے آتے ہی وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ گھر کا ہر فرد خوشی منا رہا ہے کوئی پھول لا رہا ہے کوئی مٹھائی لا رہا ہے۔ ہر فرد خوشی اور مسرت میں گم ہے اور میں رو رہا ہوں لیکن میرا کوئی ساتھی نظر نہیں آ رہا ہے جو میرے رونے میں ساتھ دے۔

کسی عارف نے بہت اچھا شعر کہا ہے

نہال سرکش و گل بے وفا و لالہ دو رنگ ۔۔۔ دریں چمن بچہ امید آشیاں بندم

میں اس باغ میں کیسے اپنا گھونسلہ بناؤں اس لئے کہ اس باغ کا ہر پودا بے وفا نظر آ رہا ہے۔

اللہ والے کہتے ہیں کہ دیکھو تمہاری پیدائش کے وقت کسی نے تمہارے رونے میں ساتھ نہیں دیا ہے تم رو رہے تھے اور دنیا ہنس رہی تھی۔

یاد داری کہ وقت زادن تو ۔۔۔ ہمہ خنداں بدند تو گریاں

کیا تمہیں اپنی پیدائش کا وقت یاد ہے یاد نہ ہو تو کسی عزیز سے دریافت کر لینا اس وقت تمہارا حال یہ تھا کہ تم رو رہے تھے اور دنیا خوشیاں منا رہی تھی۔ اب تمہیں کیا کرنا ہے تمہیں چاہئے کہ اب تم ایسی زندگی گزارو جیسا کہ فرمایا گیا۔

آنچناں زی کہ وقت مردن تو ۔۔۔ ہمہ گریاں بوند تو خنداں

اب تم دنیا میں ایسی پاکیزہ اور خوش خصال زندگی گزارو کہ تمہارے وصال پر دنیا روتی ہوئی رہ جائے اور تم ہنستے ہوئے رخصت ہو جاؤ۔ ویسے ہر فرد ہر فرد کے لئے روتا نہیں ہے۔

نیک اور اللہ والے کے لئے ہی رویا جاتا ہے جب کوئی اللہ والا چل بستا ہے تو پھر

آدمی تڑپ تڑپ کے روتا ہے کہ ہائے میرا اللہ کا ایک بندہ مجھ سے جدا ہو گیا۔

خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انسان شکم مادر سے جب اس عالم میں آتا ہے تو یہاں آتے ہی دیکھتا ہے کہ ایک بڑا سا مکان ہے، روشنی ہے، دودھ کی غذا ہے، ریشمی کپڑے ہیں، ہوا ہے تو کہتا ہے کہ وعدہ کرنے والے نے جو عہد کیا تھا واقعی وہ سچا ہے ذرا سی وجہ سے ماں کے پیٹ کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن لانے والے کا وعدہ سچا تھا۔

علامہ ابن جوزیؒ کہتے ہیں یہ بھی ایک اسٹیشن ہے جب بچہ بڑا سا ہو جاتا ہے تو آپ اسے گود میں کھلاتے ہیں اس وقت اس کا شوق کیا ہے؟ جب وہ روئے تو آپ نے کنڈی بجا دی تو وہ چپ ہو گیا یعنی اس کی دلچسپی ہے۔ اس سے زیادہ اس کا معیار دل چسپی کچھ نہیں آگے وہ اس عمر کو آئے گا جبکہ اس کا اسٹیشن دوسرا ہوگا جس میں وہ ایم اے کا امتحان دے گا۔ پی ایچ ڈی کرے گا اب آپ اس کے سامنے کنڈی بجائیے اور یہ کہیے کہ آپ وہی تو ہیں کہ کنڈی اور گھنٹی بجانے سے خوش ہو جایا کرتے تھے مگر یہ لڑکا اب اس سے خوش نہیں ہوگا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عمر کی ہر منزل پر انسان کا شوق بدل جاتا ہے۔ آپ بچے کو تعلیم کے لئے اسکول میں لے جانا چاہتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ کیوں لے جا رہے ہو آپ کہتے ہیں کہ تعلیم کے لئے وہ کہتا ہے وہ کیا ہوگا۔ آپ کہتے ہیں کہ استاد پڑھائے گا لیکن وہ اسکول جانے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض بچے اسکول جانا نہیں چاہتے تو ان کے ہاتھ پاؤں پکڑ کر لے جاتے ہیں کیونکہ وہ اسکول جانے سے ڈرتے ہیں لیکن جب وہاں بچہ علم کی چاشنی چکھ لیتا ہے اب آپ اسے روکنے کی بھی کوشش کریں وہ رکے گا نہیں وہ تو اب یوں کہے گا کہ میں اسکول جا کر ہی رہوں گا علم کا مزہ تو بہت اچھا ہے اسکول لے جانے والے نے جو وعدہ کیا تھا اس کا وعدہ سچا تھا حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر اسکول جانے سے میں ڈر رہا تھا۔

اب آگے وہ منزل بھی آئے گی جب آپ اس کو دولہا بنا کر لے جا رہے ہوں، آپ نے دولہا کو قاضی کی مجلس میں بٹھا دیا۔ یہ بھی ایک اسٹیشن ہے۔ اس کا نام آپ نے رکھا ہے شادی۔ بعض اوقات القاب کے ذریعہ انسان کو خوش کیا جاتا ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ آپ کے علاقے میں دولہا کو کیا کہتے ہیں۔ بعض علاقوں میں

خاک روب کو بھنگی کہتے ہیں۔ بھنگی کو مہتر بھی کہتے ہیں۔ مہتر کے معنی آقا اور سردار کے ہیں۔ دیکھئے مہتر کا لفظ کتنا عمدہ ہے۔ بھنگی کو کام تو دیا گیا ہے سب سے گھٹیا نام رکھا گیا ہے سب سے بڑھیا۔

بہر حال انسان بھی لفظوں سے خوش ہو جاتا ہے۔ شادی کے معنی ہیں خوشی کے۔ آپ دولہا کے سامنے شادی کی حقیقت کچھ اس انداز سے بیان کریں اور یوں کہیں کہ تم سے اب ایسا قول و قرار لیا جائے گا۔ جس سے تمہیں پابندیوں میں جکڑ دیا جائے گا تمہاری آزادیاں چھین لی جائیں گی۔ ایسی صورت میں دولہا راستہ ہی سے بھاگ جائے گا۔ لیکن آپ اچھے اچھے عنوانات کے ساتھ اس کو سمجھاتے ہیں وہ قاضی کی مجلس میں آتا ہے قاضی کہتا ہے کہ فلاں بنت فلاں کو بعوض مہر تمہارے نکاح میں دیدیا گیا آپ نے قبول کیا۔ قاضی کے قول کے ختم سے پہلے ہی دولہا کہتا ہے الحمد للہ میں نے قبول کیا۔

کیا قبول کیا ہے؟ دولہے میاں کو معلوم ہی نہیں ہے

ایک بدو نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ ماذا النکاح؟ نکاح کیا ہے؟

حضرت علیؓ نے فرمایا سرور شہر ایک ماہ کی خوشی۔

بدو نے سوال کیا: ثم ماذا؟ ایک ماہ کے بعد کیا ہوگا؟

حضرت علیؓ نے فرمایا: لزوم مھر مہر کی ادائیگی۔

ایک ماہ کے بعد دولہن کہتی ہے کہ آپ نے قبول تو کیا تھا وہ پانچ ہزار کا مہر تو لاؤ۔ شوہر کو پہلی دفعہ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے جو قبول کیا ہے اس میں لینا ہی نہیں ہے کچھ دینا بھی ہے۔

بدو نے سوال کیا اس کے بعد کیا ہے؟ فرمایا غموم دھر پھر زندگی بھر رنج و غم۔ بچے ہوں گے کسی کو بخار کسی کی تعلیم کا مسئلہ کبھی راشن کا مسئلہ۔

معلوم ہوا کہ یہ قول و قرار ایک گھن چکر بن گیا ہے۔

وہ بدو حضرت علیؓ سے دریافت کرتا ہے کہ ثم ماذا اس کے بعد کیا ہے؟ حضرت علیؓ جھک گئے کمر ٹیڑھی کر دی اور فرمایا کسور ظھر کمر کا ٹوٹنا۔ یہ آخری منزل کا نام ہے۔ ذمہ داریوں کو اٹھاتے اٹھاتے کمر ٹوٹ جاتی ہے انسان کی۔

دہلی میں ایک خاتون کا نکاح ہوا اگلے ہی دن اس نے شوہر کے سامنے فرمائشی فہرست

پیش کر دی۔ شوہر میاں پڑھ کر پریشان ہو گئے اور بیوی سے کہا خدا کی قسم میں نے تو تجھے قبول کیا تھا تیری فہرست کو تو میں نے قبول نہیں کیا ہے۔ اس نے کہا جناب آپ کو کیا معلوم ہے اور بھی فہرستیں آنے والی ہیں۔ آپ نے مجھے بھی قبول کیا ہے اور میری ان فہرستوں کو بھی۔

میرے دوستو! یہ بھی ایک منزل ہے جو آتی ہے اور گزر بھی جاتی ہے۔ اور جب انسان صاحب اولاد ہو جاتا ہے تو اپنے مستقبل کا نقشہ بناتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ میرے ماں باپ نے کیا کیا تھا۔ ماں باپ کا کچھ خیال نہیں وہ یہ سوچتا ہے کہ اولاد کے لئے مکان بناتا ہے اور دولت جمع کرتا ہے۔

چلئے اس سے بھی انسان گزر جاتا ہے اب ایک وہ منزل آتی ہے جس میں بچپن کے تمام تر ساتھی گزر چکے ہوتے ہیں اسے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کوئی قادیر ہے کہ ہمارا جاننے والا ہی کوئی نہیں ہے یہ ساری کی ساری نئی نسل ہے۔ یہ نئے پودے ہیں۔

جب کوئی بڑے میاں نو عمر افراد کے درمیان بیٹھتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ چلو بھئی چلو بڑے میاں آ گئے۔ دیکھئے قدرت کا کیا نظام ہے کہ آدمی اس مرحلے میں کہتا ہے کہ اب تو ہماری سوسائٹی کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ میرا کوئی رفیق نہیں ہے میرے شوق اور میری دلچسپی کے آدمی نہیں رہے۔ اب میں اس گھر میں رہنا نہیں چاہتا ہوں۔ کمال آبادی نے کہا ہے

اٹھتے جیسے کہ جانے والے گزر گئے   کوئی ماں باپ چچا تو جب بیاہ مر گئے

بڑی عمر کا کوئی آدمی مرتا ہے تو رونے والا بھی کوئی نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے سارے ساتھی مر چکے ہوتے ہیں۔

میرے دوستو! یہ سب کے سب عمر کے اسٹیشن اور عمر کی منزلیں ہیں ہر منزل کا شوق جداگانہ ہوتا ہے۔

اکبر الٰہ آبادی کے ایک صاحبزادے پڑھنے کے لئے ہندوستان سے لندن چلے گئے ان کی عمر جب سات آٹھ سال کی تھی تو انہوں نے کہا تھا ابا جی مجھے ایک گیند چاہئے جس پر گھوڑے کی تصویر بنی ہو۔ باپ نے بہت تلاش کی کہیں نہیں ملی۔

صاحبزادے لندن چلے گئے پڑھ کر فارغ بھی ہو گئے شادی بھی ایک میم صاحبہ سے

کرلی۔ صاحب اولاد بھی ہو گئے اور بڑے حاکم بھی بن گئے۔

بیٹے کے لندن جانے کے بعد اکبر الٰہ آبادی کو بازار میں گیند مل گئی خرید کر انہوں نے اسے اپنے باکس میں رکھ لیا ان کے صاحبزادے جب گھر آئے تو ان کی دعوت کی گئی۔ بڑے بڑے حکام کو بلایا گیا۔

اکبر مرحوم نے اپنے باکس سے گیند لا کر سب کے سامنے پیش کی اور کہا بیٹا گیند تمہیں پسند تھی یہ لو۔ وہ بہت شرمندہ ہوئے لوگوں نے کہا اکبر بڑھاپے میں سٹھیا گئے ہیں۔ بیٹا بڑا ہو چکا ہے حاکم بن گیا ہے اب اکبر گیند پیش کر رہے ہیں یہ کیا ہے؟

اکبر الٰہ آبادی نے کہا بیٹا میں پاگل نہیں ہوں۔ آج میں تمہیں ایک سبق دینا چاہتا ہوں۔ سبق کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ عمر کی ہر منزل میں انسان کو ایک شوق ہوتا ہے۔ تمہاری ایک وہ منزل تھی جس میں تمہیں کھیل اور گیند کا شوق تھا۔ لیکن آج تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ کل کا شوق آج تمہیں شرمندہ بنا رہا ہے۔ کل جس کو تم چاہتے تھے آج اسے تم ہاتھ بھی نہ لگا رہے ہو۔ آج میں تمہیں یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ کل کا شوق آج تمہیں شرمندہ کر رہا ہے اس لئے آج تم اپنے پیچھے کوئی ایسا شوق نہ لگانا جو کل تمہیں آخرت میں شرمندہ کرے۔

بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہر منزل پر ایک شوق ہوتا ہے۔ آگے کی منزل میں انسان کو اس شوق سے شرم آتی ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ لوگ اپنی عمر کی سالگرہ مناتے ہیں۔ کسی کی عمر تیس سال کی ہو جب وہ اکتیس سال میں داخل ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کا ایک سال کم ہو چکا ہے۔

اس کی پر مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے یہاں آپ نے پیچھے فقط دیکھا ہے کہ تیس سال گزر گئے۔ آگے آپ نے نہیں دیکھا کہ بعد کے کتنے سال رہ گئے ہیں۔

کیا یہ سالگرہ کوئی خوشی کی چیز ہے کسی نے بہت ٹھیک کہا ہے۔

غافل! تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی   گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

گھڑی گھنٹہ بجا کر بتاتی ہے کہ لے تیری عمر کی ایک اور گھڑی کم ہو گئی؟

خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ سب عمر کے موسم ہیں جس میں ہم اور آپ سب ہی

رواں دواں ہیں۔ کچھ مسافت ہم نے طے کی ہے کچھ مسافت باقی ہے اور کچھ مسافت وہ ہے جہاں ہم ٹھہرے ہیں اور کچھ مسافت وہ ہے جہاں آپ کا ہمارا سفر ختم ہوگا۔

فرمایا گیا ہے: وسيق الذين اتقوا ربهم الى الجنة زمراً حتى اذا جآءوها و فتحت ابوابها و قال لهم خزنتها سلٰم عليكم طبتم فادخلوها خٰلدين۔

میں نے کہا تھا کہ ماں کے پیٹ سے ہم آئے، جوانی گزری، بڑھاپے کی منزل پہ پہنچے تو وہی فرشتہ جس نے کہ ماں کے پیٹ میں گفتگو کی تھی کہتا ہے چلو یہاں سے جس عالم میں تم رہتے ہو وہ تنگ ہے ہم تمہیں ایسے عالم میں لے جائیں گے جہاں کا مکان یہاں کے مکان سے اچھا ہے وہاں کا لباس یہاں کے لباس سے اچھا ہے۔ وہاں کی خوراک یہاں کی خوراک سے اچھی ہے وہاں کا اقتدار یہاں کے اقتدار سے اچھا ہے۔ اس عالم کو عالمِ آخرت کہتے ہیں اس وقت بھی انسان وہی کہتا ہے جو اس نے ماں کے پیٹ میں کہا تھا کہ تمہارا وعدہ سچا ہو یا جھوٹا یہاں جو آرام ہے وہی غنیمت ہے اسے چھوڑ کر میں وعدے پر جانے کو تیار نہیں ہوں مگر قدرت کے ہاتھ زبردستی اسے عالمِ آخرت میں لے آتے ہیں۔ صاحبِ ایمان ہے تو عالمِ آخرت میں پہنچ کر وہی کہتا ہے جو کہ اس نے ماں کے پیٹ سے آنے کے بعد کہا تھا کہ بھائی واقعی وعدہ سچا تھا۔ فرمایا گیا۔

وقالوا الحمد لله الذى صدقنا وعده واورثنا الارض نتبوأ من الجنة حيث نشآء۔

آج مجھے جنت میں داخل کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گروہ در گروہ ان کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے فرشتے سلام کریں گے۔ علماء نے لکھا ہے کہ دنیا میں ہمارا اسلام وعدہ ہے اور آخرت میں ہمارا سلام پورا کیا جاتا ہے۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو السلام علیکم یا وعلیکم السلام کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دے رہے ہیں۔

یہ کیسی دعا ہے کیسا سلام کیا مطلب ہے اس کا۔

مطلب یہ ہے کہ تمہاری جان کی سلامتی ہو تمہارے مال کی سلامتی ہو۔ تمہارے ایمان کی سلامتی ہو لیکن آخرت میں نہ تو جان کی سلامتی کا سوال ہے نہ مال کی سلامتی کا سوال

نہ ایمان کی حفاظت کا سوال ہے۔ وہ تو دارالجزاء ہے۔ وہاں فرشتے سلام کہیں گے تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟ وہاں مطلب یہ ہوگا کہ آج ہم تم کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اللہ نے سلامتی کی بدولت تمہیں جنت عطا فرمائی ہے۔

بہرحال آخرت کا سلام مبارکبادی ہے۔ دنیا کا سلام ایک دوسرے کے حق میں دعا ہے اور جب جنتی جنت میں جائیں گے تو جاتے ہی یہی کہیں گے کہ بس اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔

میرے دوستو! ہم اور آپ چاہے مسافت طے کریں یا نہ کریں ہم کسی سواری پر بیٹھیں یا نہ بیٹھیں ہم اور آپ سب کے سب سفر کی منزل طے کر رہے ہیں۔ ہماری اور آپ کی آخری منزل اور ہمارا وطن خاص عالم آخرت ہے جو آدمی اپنے وطن کے لئے تیاری کرتا ہے وہ دنیا میں سب سے زیادہ قابل مبارکباد ہے۔

ہم اور آپ سفر میں راحت پہنچاتے ہیں لیکن اس منزل کی راحت کی فکر کسی کو نہیں ہے حالانکہ اس کی فکر کا ہونا ضروری ہے۔

اب میں ختم کرنا چاہتا ہوں اصل میں قرآن کریم کی آیت جس کی میں نے تلاوت کی تھی اس کا ترجمہ کرنا مقصد تھا۔ ہم اور آپ مل کر دعا کریں کہ اللہ ہمیں اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد صلوٰۃ تنجینا بھا من جمیع الاھوال والآفات و تقضی لنا بھا من جمیع الحاجات و تطھرنا بھا من جمیع السیئات و ترفعنا بھا اعلی الدرجات و تبلغنا بھا اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیوٰۃ و بعد الممات انک علیٰ کل شئ قدیر برحمتک یا ارحم الراحمین۔

کامل مومن
کی نشانی

خطاب نمبر۲

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ' و نستعینہ' و نستغفرہ' و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ' و من یضللہ فلا ھادی لہ' و نشھد ان لآالٰہ الا اللّٰہ وحدہ' لاشریک لہ' و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولٰنا محمداً عبدہ' و رسولہ' صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و الہ و اصحٰبہ اجمعین امابعد! فقد قال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم ۔

بزرگان محترم اور برادران عزیز! ہمارے ہاں کراچی میں ایک طریقہ قائم ہو چکا ہے کہ جمعہ میں عربی کے دونوں خطبوں سے پہلے تھوڑی دیر اردو میں دین کی چند باتیں پیش کی جاتی ہیں مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہاں بھی وہی طریقہ ہے۔

بعض دوستوں نے بتایا کہ خطبہ سے پہلے تھوڑی دیر مختصر طریقے پر دین کی چند باتیں پیش کرنی ہیں اس کے پیش نظر حضورؐ کی ایک مختصری حدیث میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

کامل درجے کا مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔

حدیث میں کامل مسلمان کے کہنے سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان کامل بھی ہوتا ہے اور ناقص بھی ہوتا ہے۔ اعلیٰ درجے کا مسلمان بھی ہوتا ہے اور کم درجے کا مسلمان بھی ہوتا ہے۔

کامل مسلمان اور ناقص مسلمان کی پہچان ہم اس طرح کر سکتے ہیں کہ ہم اور آپ چودہ سو سال بعد کے مسلمان ہیں اور چودہ سو سال پہلے کے مسلمان حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

ہم میں اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں زمین و آسمان کا فرق ہے یہ فرق کیوں ہے؟

حالانکہ وہ پانچ فرض نمازوں کی جگہ پچاس نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔ تیس روزوں کی جگہ دو ماہ کے روزے نہیں رکھتے تھے۔ اس دور میں بھی یہی نمازیں تھیں یہی روزے تھے یہی زکوٰۃ کی مقدار اور زکوٰۃ کا نصاب تھا یہی حج کی عبادت تھی۔ یہی قرآن تھا جو ہمارے اور آپ کے درمیان ہے اور یہی شریعت تھی اسی پر ان کا عمل تھا لیکن یہ فرق کیوں؟ فرمایا گیا۔

ما کانوا اکثر صلوٰۃ ولا صیاماً ولکن وقر شی فی القلب

یہ فرق اس لئے ہے کہ ان کی رگ و پے میں اور ان کے خون میں ایمان اور عشق والی کیفیت داخل ہو چکی تھی۔

وہ کیفیت وہ اثر آج آپ کی اور ہماری زبان تک ہی رہ گیا ہے۔

خون میں نہیں آیا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی قبروں سے اٹھ کر آ جائیں اور ہمیں اور آپ کو دیکھ لیں تو وہ ہمیں مسلمان نہ سمجھیں گے اور ہم انہیں دیکھیں گے تو دیوانہ سمجھیں گے۔ ایسا کیوں؟

اس لئے کہ ہم نہ ایمان میں مضبوط ہیں نہ اعمال میں بلکہ ہم نے تو راہ شریعت چھوڑ رکھی ہے اکبر کا شعر یاد آ گیا۔

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مسلمان کامل بھی ہوتا ہے اور ناقص بھی ہوتا ہے آپ یہ تک کہ کامل مسلمان بننے کی کیا ضرورت ہے ناقص ہی سہی؟ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ زندگی کے کونسے شعبے میں آپ نے یہ قناعت اختیار کی ہے۔

دیکھئے آپ بیمار ہو جائیں تو گھٹیا ڈاکٹر پر آپ اکتفا نہیں کرتے۔ ڈاکٹر وہ سب سے اعلیٰ۔ اچھی نامی ہو اس کی شہرت لیاقت اور قابلیت بھی ہو اس کی دوائی ہو چاہے فیس ہزاروں اور لاکھوں لے۔

جب آپ مکان بنانے پر آتے ہیں تو اس میں بھی آپ کا معیار سب سے اونچا ہوتا ہے کمانے پر آتے ہیں تو سب سے آگے جانا چاہتے ہیں۔

اللہ کے دین نے کیا قصور کیا ہے کہ یہاں آپ کامل بننے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چلو ناقص ہی سہی۔

میرے دوستو! ایمان اور عمل میں ناقص مت ہو۔ یہاں بھی کامل بننے کی کوشش کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ کامل درجے کا مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان سے جس کے ہاتھ سے کسی کو ایذا اور تکلیف نہ پہنچے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی زبان سے بھی لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اس کے ہاتھ سے بھی تکلیف پہنچتی ہے بلکہ ہاتھ سے بھی زیادہ زبان سے تکلیف پہنچتی ہے۔

کسی کو طعنہ دیدیجئے۔ کسی کی غیبت کر دیجئے۔ کسی کو گالی دے دیجئے۔ کس قدر ان سے تکالیف لاحق ہوتی ہیں۔ عربی کا شاعر کہتا ہے۔

جراحات السنان لها التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

تلوار کا زخم مٹ جاتا ہے زبان کا زخم نہیں مٹتا ہے۔ اسی لئے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے زبان کے استعمال میں بھی کافی احتیاط کی۔ چنانچہ ایک صحابیؓ نے کسی ایک دوسرے صحابی کو دیکھا کہ وہ اپنی دو انگلیوں سے زبان کو پکڑے ہوئے ہیں اور دو انگلیوں سے دبا رہے ہیں۔

دوسرے صحابی نے پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا میں نے آج غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے گناہوں کی زیادہ تر بنیاد یہی تھوڑا سا ٹکڑا ہے جس کو میں دبا رہا ہوں۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زبان کا یہ ٹکڑا درست ہو جائے تو انسان انسان بن جاوے۔ جب مسلمان ہجرت کر کے حبشہ گئے تو نجاشی نے انہیں وہاں پناہ دی۔ ان مہاجرین میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔

بعض کفار مکہ نے نجاشی سے کہا آپ ان مسلمانوں کو نکال دیں۔ نجاشی نے کہا کیوں؟ کفار قریش نے کہا کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ان میں سے کسی کا رنگ کالا ہے تو کسی کا قد چھوٹا ہے۔ پریشانی ان کی اچھی نہیں ہے ذاتی وقار ان کے چہروں میں نظر نہیں آ رہا ہے۔ گھٹیا درجے کے یہ لوگ ہیں؟

حضرت جعفرؓ دربار میں کھڑے ہوئے اور نجاشی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے حبشہ کے بادشاہ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ انسان لمبے لمبے قد و قامت کا نام نہیں ہے انسان رنگ و روپ کا نام نہیں ہے بہترین لباس کا نام انسان نہیں ہے۔ بلکہ انسان دو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا نام ہے۔

فرمایا: الانسان باصغریه القلب و اللسان.

دل اور زبان کا نام انسان ہے۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی زبان درست ہو جائے تو سارا انسان درست ہو جائے گا۔

میں نے عرض کیا تھا کہ زبان سے بہت تکلیف پہنچتی ہے زبان سے انسان غیبت کرتا ہے۔ زبان سے انسان گالی دیتا ہے۔ زبان سے انسان طعنہ دیتا ہے۔

اسی طرح ایک لفظ ہے جسے محاورہ میں مذاق کہتے ہیں زبان سے انسان مذاق کرتا ہے حالانکہ مذاق کرنا صحیح نہیں ہے۔ تمام عمر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاق نہیں کیا۔ جس طرح حضورؐ نے کبھی مذاق نہیں فرمایا کیونکہ پوری زندگی آپؐ نے احتیاط سے گزاری ہے۔

اس سے ایک سبق ملتا ہے کہ آپ احتیاط سے زندگی گزاریں گے تو دو کا کوئی سوال پیدا نہ ہوگا۔

بہرحال آپؐ نے تمام عمر مذاق نہیں فرمایا۔

مذاق طعن و طنز کو کہتے ہیں مثلاً آپ نے کسی کے رنگ پر چوٹ کر دی آپ نے کسی کے لباس پر چوٹ کر دی۔ آپ نے کسی کے نسب پر چوٹ کر دی آپ نے کسی کے اخلاق پر چوٹ کر دی۔ اس چوٹ کا نام مذاق ہے۔

سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن طعنہ نہیں دیتا ہے۔ مومن فحش گوئی نہیں کرتا ہے۔ مومن لعنت نہیں بھیجتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کسی کا مذاق کیا ہے نہ کسی پر آپؐ نے چوٹ کی ہے اور نہ آپ سے اس کے صادر ہونے کا کوئی امکان۔

ہاں آپؐ نے مزاح کیا ہے۔ مزاح کے معنی ہیں ظرافت کی باتیں کرنا۔ خوش طبعی کی باتیں کرنا۔ آپ رنجیدہ بیٹھے ہیں ایسی بات کہی گئی کہ جس سے خود بخود آپ کو ہنسی آ جائے۔

آپؐ نے مزاح فرمایا اور اس کے ذریعہ آپؐ نے صحابہ کو بے تکلف بنایا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اس قدر تھا کہ اگر آپ صحابہ کو بے تکلف نہ بناتے تو کسی صحابی کی ہمت نہ ہوتی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ دریافت کرے۔

آپؐ نے ایک صحابی سے کہا آپ کی آنکھ دکھ رہی ہے اور آپ میٹھی کھجور کھا رہے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ آنکھ آنے پر میٹھا کھانے سے تکلیف ہوتی ہے کیوں احتیاط نہیں کی گئی۔ صحابیؓ نے کہا یا رسول اللہؐ میں اس طرف سے کھا رہا ہوں جس طرف کی آنکھ نہیں دکھ رہی ہے۔ بہر حال آپؐ نے کبھی مذاق نہیں کیا۔ البتہ آپؐ نے مزاح کیا ہے۔

مذاق اور مزاح میں کیا فرق ہے بتاؤں گا لیکن اس کے لئے کافی وقت چاہئے اس کے باوجود چند لمحات میں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔

فارسی شاعروں میں ایک مشہور شاعر عرفی گزرا ہے اس کے اشعار بہت مشہور ہیں۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال   صد سال می تواں بتمنا گریستن

عرفی کے زمانے میں ابوالفضل اور فیضی بھی تھے۔ یہ اکبر کے زمانہ کے لوگ ہیں۔ ابوالفضل اور فیضی کے والد کا نام ملا مبارک ہے۔ ابوالفضل کو کتے پالنے کا شوق تھا۔ کتیا کے بچے جب ہوتے ہیں تو بڑی تعداد میں ہوتے ہیں۔

اتفاق کی بات ہے کہ ابوالفضل کے مکان پر کتیا نے بچے دے رکھے تھے عرفی ابوالفضل کے مکان پر پہنچا تو دیکھا کہ کتیا کے بچے ادھر ادھر پھر رہے ہیں۔

عرفی نے ابوالفضل پر اس طرح چوٹ کی کہ "صاحبزادگان بچہ اسم موسوم اند"؟ جناب آپ نے ان صاحبزادوں کا کیا نام رکھا ہے؟ دیکھئے اس نے کیسی چوٹ کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عرفی نے ابوالفضل کو کتا بنا دیا۔ اور ان کو صاحبزادے بنا دیا۔ ابوالفضل نے دیکھا کہ عرفی نے کیسی چوٹ کر دی ہے۔ ابوالفضل نے بھی عرفی پر چوٹ کر دی۔ عرفی کے جواب میں ابوالفضل نے کہا! باسم عرفی۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی تو یہ کہ میں نے ان کا نام نہیں رکھا ہے بس وہی ہے جو عرف عام میں ہے۔ دوسرے معنی یہ کہ ان کا نام ہم نے وہی رکھا ہے جو آپ کا تخلص عرفی ہے۔

عرفی نے دیکھا کہ اس نے کیسی چوٹ کر دی۔ عرفی نے بھی اس چوٹ کا جواب چوٹ ہی سے دیا۔ عرفی نے کہا:

مبارک باشد مبارک باشد: یا آپ کو مبارک ہو آپ کو مبارک ہو۔ اس کے بھی دو معنی ہیں ایک معنی تو یہ کہ یہ صاحبزادے آپ کو مبارک ہوں۔ دوسرے معنی یہ کہ ان کا نام عرفی نہیں ہے۔ ان کا نام تو وہ ہے جو تمہارے والد کا ہے۔

یہ ہے چوٹ۔ یہ ہے مذاق۔ کسی کالے رنگ والے کو آپ نے دیکھا اور کہا کہ آپ نے تو کالا سوٹ پہن رکھا ہے لیکن ہمیں تو یوں لگ رہا ہے جیسے آپ ننگے ہی چلے آ رہے ہیں۔ کسی کو ایک آنکھ سے نظر آ رہا ہے تو آپ نے کہہ دیا دیکھئے ڈپٹی صاحب چلے آ رہے ہیں۔ کسی نے جھکی کمر والے کو دیکھا تو بچوں نے کہا بڑے میاں یہ تیر و کمان آپ نے کتنے میں خریدا۔ بڑے میاں نے بھی اچھا ہی جواب دیا۔ کہا جب تم میری عمر کو پہنچو گے تو یہ تیر و کمان تمہیں مفت ہی مل جائیں گے۔ خریدنے کی ضرورت نہ ہو گی۔

میرے دوستو! یہ ہے مذاق۔ مذاق سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔ مذاق سے جھگڑے ہوتے ہیں۔ مومن کے لئے مذاق کبھی زیب نہیں دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کبھی مذاق نہیں کیا۔ ہاں آپؐ نے مزاح فرمایا ہے۔ مزاح کی بھی مثال سن لیجئے۔ تاکہ یہ بات پوری ہو جائے۔

شاعروں کے تذکرے میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ عالمگیر کی ایک صاحبزادی زیب النساء بڑی صاحب کمال تھی۔ ان کا کلام بہت اچھا ہوتا ہے۔ مخفی ان کا تخلص ہے۔ زیب النساء کے بارے میں اہل تذکرہ نے لکھا ہے کہ یہ اپنے زنانہ باغ میں اکیلی اور تنہا ٹہل رہی تھی۔ باغ میں مختلف رنگا رنگ پھول کھلے ہیں۔

یہ بات بھی تذکرہ والوں نے لکھی ہے کہ زیب النساء سے دل چسپی لیا کرتا تھا عاقل خاں۔

چو کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی   عاقل خاں نے دیکھا کہ زیب النساء

زنانہ باغ میں تنہا ٹہل رہی ہے وہ کسی طریقہ سے باغ میں داخل ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ زیب النساء کو سلام کرنے جاؤں تو پھولوں کو توڑ کر رسی سے باندھ کر گلدستہ بنا کر پیش کروں۔ اس نے پھول توڑے گلدستہ بنایا۔ رسی سے لپیٹ کر زیب النساء کے سامنے پیش کیا۔ یہ ہے مزاح۔

زیب النساء نے کہا آپ عاشق کا دعویٰ کرتے ہیں۔ آپ کو پتہ نہیں پھول محبوب ہے بلبل عاشق ہے پھول توڑ کر آپ نے بلبل کے دل کو توڑا ہے آپ کیسے عاشق ہیں جو دوسرے عاشقوں کا دل توڑتے ہیں۔

زیب النساء نے فوراً ہی گلدستہ کو ہاتھ نہیں لگایا بلکہ یہ کہا کہ

گلا اے عاشق صادق چرا گلدستہ آوردی　　دل بلبل شکستی بہر ما گلدستہ آوردی

بلبل کے دل کو توڑ کے آپ میرے لئے گلدستہ لے آئے ہیں۔ عاقل خاں نے کہا نہیں حضور میں نے بلبل کا دل نہیں توڑا ہے۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں ذرا غور سے دیکھئے یہ کیا ہے۔ زیب النساء نے کہا تو پھر یہ کیا ہے؟

عاقل خاں نے کہا

برائے زینت دست تو ایں گلدستہ آوردم　　بخوبی با تو می زد گل بچشمک بستہ آوردم

آپ کی زینت کے لئے میں یہ گلدستہ نہیں لایا ہوں۔ قصہ یہ ہے کہ اس باغ میں حسن کی ملکہ زیب النساء موجود تھی۔ میں باغ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ آپ کی موجودگی میں یہ پھول حسن کا دعویٰ کر رہے تھے۔ حضور یہ آپ کے باغی ہیں۔ آپ کے باغیوں کو رسی میں باندھ کر آپ کے سامنے لے آیا ہوں۔

یہ ہے مزاح کہ جس سے انسان شرمندہ نہیں خوش ہو جائے۔

میرے دوستو! ایک مومن جس قدر پاکیزہ ہو سکتا ہے اتنا دنیا کے کسی بھی مذہب و ملت کا آدمی پاکیزہ نہیں ہو سکتا ہے۔

کیونکہ ہمیں ایسا کلام ملا ہے جس پر ساری تہذیبیں ختم ہوتی ہیں۔

قرآن نے وضو کے مسائل بیان کئے۔ قرآن نے عورتوں کے ایام کے مسائل بیان کئے۔ قرآن نے غسل کے مسائل بیان کئے۔ قسم خدا کی قرآن نے کسی جگہ بھی کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا جو تہذیب کے معیار سے گرا ہوا ہو۔

اب سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کرے جو تہذیب کے معیار سے گرا ہوا ہو اور جس سے انسان کو تکلیف ہوتی ہو۔

یہاں بات کہ خدا کے کلام میں اور انسان کے کلام میں یقیناً فرق ہوتا ہے۔ دیکھئے قرآن نے پاکی کا طریقہ بھی بیان کیا ہے۔ لیکن کسی مولوی صاحب سے کسی نے پوچھا کہ ہم طہارت کرتے ہیں کتنی دیر میں سمجھیں کہ ہم طہارت سے پاک ہو گئے؟

مولوی صاحب نے جواب دیا اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ان کا کلام قرآن تو ہے نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا تمہاری کھال جب چوں چوں بولنے لگے تو سمجھ لینا کہ تم پاک ہو گئے۔ قرآن کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ قرآن جس مسئلہ کو بیان کرتا ہے وہ نہایت ہی مہذب طریقے سے بیان کرتا ہے۔

قرآن نے الفاظ کے بھی استعمال کا طریقہ سکھلایا کہ فلاں لفظ کہو فلاں لفظ نہ کہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو قرآن کریم کو اپنی زندگی کے لئے بنیادی کتاب بنالے وہ کلام کے اعتبار سے بھی سب سے زیادہ مہذب ہو گا۔

یہ بھی میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں مسلمان سے بڑھ کر کوئی مہذب نہیں بن سکتا ہے۔ لیکن آج کل انسانوں نے ننگے ہونے ہی کا نام تہذیب رکھا ہے۔

یہ نہیں ہے تہذیب۔ اصل تہذیب تو احترام آدمی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے پاس ایک معمر برقعہ پوش خاتون آئیں وہ بیٹھنے لگیں تو ان کا وضو ٹوٹ گیا۔ خاتون ہونے کی وجہ سے انہیں بڑی شرمندگی ہوئی کہ حضرت جی کے پاس آئی ہوں وضو ٹوٹ گیا۔ حضرت نے ان کی شرمندگی محسوس کی فرمایا۔ بڑی بی کیسے آئی ہو۔ بڑی بی نے کہا تعویذ کے لئے آئی ہوں۔ شاہ صاحب کہنے لگے کہ زور سے کہو۔ کہا تعویذ کے لئے آئی ہوں۔ شاہ صاحب نے کہا کچھ قریب آؤ اور زور سے کہو۔ شاہ صاحب اس خاتون کو یہ یقین دلا رہے ہیں کہ جس حرکت کی وجہ سے تم نادم اور شرمندہ ہو رہی ہو وہ میں نے سنی نہیں ہے۔

میرے دوستو! اس کا نام تہذیب ہے۔ شرمندہ کرنے کا نام تہذیب نہیں ہے کسی کی شرمندگی کو دور کرنے کا نام تہذیب ہے۔ یہ زبان کی تہذیب ہے۔ مسلمان مسلمان کی زبان سے بھی محفوظ ہو اور اس کے ہاتھ سے بھی جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ ید عربی زبان کے لفظ یعنی۔ قوت۔ طاقت اور اقتدار کے لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ شوہر ہیں تو آپ

کے ماتحت آپ کی بیوی اور آپ کی اولاد ہے۔ آپ حاکم ہیں تو رعایا آپ کے ماتحت ہے۔ آپ کارخانے کے مالک ہیں تو مزدور آپ کے ماتحت ہیں۔ اللہ جس کو بالادستی عطا کرے اسے چاہیے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو کبھی تکلیف نہ پہنچائے۔ آپ شوہر ہیں تو بیوی پر زیادتی نہ کریں۔ آپ والد ہیں تو اپنی اولاد پر کبھی ظلم نہ کریں۔ آپ افسر ہیں تو اپنے ماتحتوں پر ظلم نہ کریں۔ میرے دوستو کامل درجے کا مسلمان وہ ہے کہ جب اس کو بالادستی حاصل ہو تو وہ اپنے ماتحت کو نہ ستائے اور زبان اس کی چلے تو زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ کامل درجے کے مسلمان ہونے کی یہ علامت ہے۔

دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو مومن کامل بننے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

سورۃ العصر کی تفسیر

خطاب نمبر ۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولٰنا محمداً عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و اٰلہ و اصحٰبہ اجمعین

اما بعد: فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر (پ عم سورۃ العصر)

صدق اللّٰہ مولٰنا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین

بزرگان محترم برادران عزیز اور میری اسلامی بہنیں

عام طور پر جب کسی علاقے میں یا کسی ملک میں یا کسی شہر میں جایا کرتا ہوں تو یہ کہہ دیا کرتا ہوں کہ زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا یہاں بھی آج سے تیس سال پہلے پھیرا آنا ہوا تھا۔

اسی قول کے مطابق ابھی زندہ ہوں! اللہ نے دوبارہ موقع عطا کیا تو پھر ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضری ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ اس حاضری کو قبول فرمائے۔

اگرچہ اس طویل مدت میں جو اور میری عمر کے یا جو ضعیف بوڑھے تھے وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور جو چھوٹے بچے تھے ماشاء اللہ وہ آج جوان ہیں اللہ ان کی جوانی کی حفاظت فرمائے۔

مجھے خوشی ہے کہ سوتھ انڈیا کے مسلمانوں میں آج بھی دین کا جذبہ دین کی تڑپ اور مذہب کا شوق و ذوق باقی ہے بلکہ پہلے جتنا شوق تھا اس سے بھی کہیں زیادہ آج ہے۔

برصغیر میں میں نے دیکھا ہے کہ سوتھ انڈیا کا علاقہ اسی طرح مشرقی بنگال کا علاقہ اور صوبہ سرحد کا علاقہ ایسا ہے جس میں رہنے والے عام مسلمانوں میں دین کی تڑپ دین کا جذبہ آج بھی تازہ ہے بلکہ اور زوروں پر ہے اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ ان علاقوں کی عورتوں میں الحمدللہ دینداری بہت ہے۔ یہ قوم کی دینداری کا خاصہ ہے کہ جن کی مائیں دیندار ہوں اور ان کی گودوں میں اللہ و رسول کا نام ہو تو ان کی گودوں میں پرورش پانے والی اولاد ایمان و اخلاق سے مشرف ہوگی۔

بہر حال آپ کے ذوق کو دیکھ کر مجھے یہ خیال ہو رہا ہے کہ فیض حاصل کرنے والوں میں جتنا جذبہ ہے اتنا شاید دینے والوں میں نہیں ہے۔ فارسی کے کسی عارف کا شعر ہے۔

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار   گل چین تو از تنگی داماں گلہ دارد

پھول شکایت کرتے ہیں کہ ہم زیادہ تعداد میں ہیں لیکن کیا کیا جائے کہ پھول چننے والے کا دامن ہی اتنا چھوٹا ہے کہ وہ پھول اس دامن میں نہیں سما سکتے ہیں۔

آپ میں آپ کی خواتین میں اور نوجوانوں میں اتنا جذبہ ہے کہ ہم چاہیں بھی تو آپ کا ساتھ دینا اس بڑھاپے میں مشکل ہے۔ آج سے تیس سال پہلے میری حاضری ہوئی تھی اس وقت جو قوت تھی آج وہ قوت نہیں ہے آج وہ اعضاء نہیں ہیں وہ صحت نہیں ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ کے خلیفہ خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کا قطعہ یاد آ گیا۔

رات دن تو ہے گردش دوراں   کیا رہے گی یہ فصل گل یکساں

تاسکے آئے گا نہ دور خزاں   پھول چن لو کہ پھر بہار کہاں

عمر انسان کی فانی ہے میں نے عرض کیا ہے کہ آج میرے اندر اتنی ہمت نہیں پا رہا۔ اتنی ہمت تو ضرور ہے کہ آپ کے جذبات پر لبیک کہہ سکتا ہوں۔

اب جتنی ہمت ہے اس کے مطابق آپ کی خدمت میں چند کلمات پیش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے۔

آخیر میں ان بزرگوں کے لئے دعا کیجئے گا جو پہلے موجود تھے لیکن اب وہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ ہمارے دلوں میں ان کی یاد باقی ہے ان کے لئے ایصال ثواب کیا جائے۔

بعض دوستوں نے بتایا کہ آج کے اجتماع کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ بڑی تعداد میں خواتین اور مستورات نے شرکت کی ہے اور اس کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔

یہ آپ نے بہت اچھا کیا کیونکہ آج مستورات میں دینداری کا ہونا نہایت ہی ضروری ہے یہ محاورہ آپ نے سنا ہوگا کہ زندگی ایک گاڑی ہے جس کے دو پہیے ہیں ایک پہیہ مرد ایک پہیہ عورت۔ اگرچہ میں اس سے اتفاق نہیں کرتا ہوں۔

چلئے۔ آپ کی بات مان بھی لی جائے کہ زندگی کی گاڑی چلانی ہے اور وہ عورتوں کے بغیر چل نہیں سکتی۔ مگر میرا یہ خیال ہے موجودہ حالات کی بنیاد پر کہ ڈیڑھ پہیہ عورتیں ہیں تو آدھا پہیہ مرد ہیں یہ فلسفہ دور حاضر کا ہے۔

لیکن اسلام کا یہ فلسفہ نہیں ہے

اسلام نے آپ سے اور ہم سے یہ امید قائم کی ہے اور یہ تعلیم دی ہے کہ مرد مربی ہے مرد معلم ہے یہ محافظ ہے عورتیں زیر تربیت ہیں اور مردوں کے زیر اثر ہیں۔ مرد کا اثر قبول کرتی ہیں مرد عورت کا اثر قبول نہیں کرتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ مسلمان مرد کا نکاح مسلمان عورت سے جائز ہے۔ اسی طرح مسلمان عورت کا نکاح مسلمان مرد سے جائز ہے۔

میرے دوستو! دنیا میں مذہب اسلام سے زیادہ روادار مذہب اور کوئی نہیں ہے۔ یہ کیوں اور کیسے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ۔

اسلام نے نکاح کے سلسلہ میں یہ بھی کہا ہے کہ کتابیہ عورت سے ایک مسلمان کا نکاح صحیح ہے۔ جائز ہے اس نکاح کو بھی اسلام تسلیم کرتا ہے اسی طرح اسلام ان دونوں میاں بیوی کے نکاح کو تسلیم کرتا ہے جو ابھی اسلام میں آئے ہوں پہلے خواہ وہ کفر کے دائرے میں رہے ہوں یا وہ یہودی رہے ہوں یا نصرانی رہے ہوں یہاں اسلام یہ نہیں کہتا ہے کہ ان میاں بیوی میں نکاح جدید کی ضرورت ہے۔

اسلام اس نکاح کو تسلیم کرتا ہے جو انہوں نے اسلام میں آنے سے پہلے کیا تھا اگر

اسلام ان کے ہاں نکاح کو تسلیم نہ کرے تو ان کی اولاد کا کیا ہو گا ان کا سلسلہ نسب کیا ہو گا۔ وہ
بے باپ اولاد کہلائے گی۔ اس لئے اسلام ان کے اس نکاح کو تسلیم کرتا ہے۔

بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہودیہ اور نصرانیہ سے مسلمان کا نکاح جائز ہے
بشرطیکہ وہ اپنے طریقے پر رہے میں نے یہ شرط کہ وہ اپنے طریقے پر رہے اس لئے کہی ہے
کہ اس زمانے میں تو عیسائیت برائے نام رہ گئی ہے۔

میرے دوستو! یہودیہ سے نصرانیہ سے نکاح جائز تو ہے لیکن ایسے موقع پر میں اتنا تو
احتیاط کر لیتا ہوں کہ ایسے نکاح میں شرکت نہیں کرتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب کے
ساتھ نکاح تو جائز ہے میں یہ کہا کرتا ہوں کہ جائز تو ہے لیکن اس نکاح کو مولانا احتشام الحق
صاحب ہی پڑھائیں کیا ضروری ہے۔
چاہیئے کسی اور سے پڑھا لیجئے۔

میرے دوستو! یہ جائز تو ہے لیکن موجودہ نسل پر جو تعیش پرستی اور بے دینی کے دور
میں خاندان پر اس کے جو مضر اثرات پڑتے ہیں وہ مجھے پسند نہیں۔

آسٹریلیا میں ڈاکٹر حبیب الرحمان صاحب رہتے ہیں یہ آپ ہی کے علاقے کے
ہیں۔ انہوں نے خط لکھا کہ ایک زمانے میں جب آپ مدراس آئے تھے تو میں اس وقت
طالب علم تھا اب میری خواہش ہے کہ آپ یہاں آئیں۔ میں ان کے ہاں گیا ہوا تھا۔ میں نے
دیکھا کہ وہاں کے گھروں میں تصویریں لگی ہیں جن میں بعض کے چہروں پر داڑھی ہے۔ میں
نے کہا یہ کون ہیں کہا کہ یہ ہمارے جد ہیں۔ میں نے کہا یہ کون ہیں کہا کہ یہ ہماری والدہ ہیں۔

اور دادا عیسائی! کیونکہ ان کے مردوں نے عیسائی عورتوں سے نکاح کیا تو جب ان
کے شوہروں کا انتقال ہو گیا تو وہ اپنے بچوں کو لے کر اپنے ہاں چلی گئیں اور وہ بچے عیسائی ہو
گئے۔ جنہوں نے مسجدیں بنائیں جو محسن تھے بانیان مسجد تھے دیکھئے اولاد ان کی عیسائی۔

بہرحال میں نے کہا کہ اہل کتاب سے نکاح کی اسلام نے اجازت دی ہے لیکن دل
سے اجازت۔

دل سے اجازت کا کیا مطلب۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان مرد کتابیہ سے نکاح کر سکتا

ہے لیکن مرد اہل کتاب ہو عورت مسلمان ہو تو ایک مسلمان عورت کا نکاح اہل کتاب سے جائز نہیں ہوگا۔ لوگ دریافت کرتے ہیں کہ اس کی وجہ کیا ہے اور اس کی فلاسفی کیا ہے؟ حالانکہ اللہ میاں سے ہم اور آپ پوچھ نہیں سکتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے؟ ہم کوئی اللہ میاں کی پارلیمنٹ کے ممبر تو ہیں نہیں اور وہاں اس کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو مختار کل ہیں۔ خالق مطلق ہیں۔ ہماری کیا مجال کہ ہم ایسا سوال کریں ایک عارف نے کہا ہے۔

گل را چہ مجال است کہ پرسد زکلال ‏ ‏ ‏ ‏ از بہر چہ سازی و چرا می شکنی

کمہار کے پاس ایک گول سا چکر ہوتا ہے وہ اس میں مٹی رکھتا ہے اور اس سے آب خورہ بناتا ہے اس سے ہانڈی بناتا ہے پھر مٹی بنا دیتا ہے۔ لیکن مٹی کی یہ مجال نہیں کہ کمہار سے یہ پوچھے کہ آپ نے آب خورہ کیوں بنایا تھا پھر اسے مٹی کیوں بنا دیا۔ مٹی کی جب یہ مجال نہیں ہے تو ہم میں یہ مجال کیسے کہ اللہ میاں سے یہ کہیں کہ آپ نے یہ کیوں کیا وہ کیوں کیا یہ جائز کیوں وہ ناجائز کیوں۔

البتہ آپ ادب سے سوال کریں تو اس کا جواب مل جائے گا۔ یہ نہ پوچھیے کہ یہ کیوں وہ کیوں؟ یہ پوچھیے کہ اللہ تعالیٰ آپ حکیم ہیں۔ آپ کے ہر قانون میں حکمت ہوتی ہے۔ یقیناً اس میں بھی تو کوئی حکمت ہوگی آپ اگر یہ سوال کرتے ہیں کہ اس میں حکمت کیا ہے تو آپ نے اپنی پوزیشن صحیح کر لی اس کا جواب مل جائے گا۔ اس کی حکمت اور فلاسفی یہ ہے کہ اللہ کی نظر میں مرد کی حیثیت یہ ہے کہ وہ اثر ڈالتا ہے عورت کی زندگی پر۔ عورت کی حیثیت یہ ہے کہ وہ اثر قبول کرتی ہے لیکن اپنا اثر ڈال سکتی نہیں ہے۔

مسلمان مرد کو اہل کتاب کے ساتھ نکاح کی اجازت اس لئے دی گئی کہ وہ اس پر اپنا اثر ڈالے گا اور اسے مسلمان بنائے گا۔ مسلمان عورت کو اہل کتاب مرد سے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی اس لئے کہ وہ مرد ہے وہ یہاں اپنا اثر ڈالے گا جس کی وجہ سے مسلمان عورت مرتد ہو جائے گی۔

جہاں مرتد ہونے کا خطرہ ہے اسلام نے وہاں نکاح کی اجازت نہیں دی ہے اور جہاں مسلمان ہونے کی امید ہے وہاں اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔

میرے دوستو! اسلام کی نظر میں آپ کا اور ہمارا مرتبہ یہ ہے کہ ہم اور آپ اثر قبول نہیں کرتے ہیں بلکہ اپنا اثر ڈالتے ہیں لیکن آج ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے

کہ کیا ہم ان میں شامل ہیں؟ کیا آج ہم اپنا اثر عورتوں پر ڈالتے ہیں؟ آج تو ہم سب کے سب ان کا اثر قبول کر رہے ہیں۔

آج آپ میں اور ہم میں ہر آدمی ملا جیونؒ بنا ہوا ہے۔ ملا جیونؒ عالمگیرؒ کے استاد تھے۔ بڑے نیک بھولے بھالے لیکن وہ بے چارے اپنی بیوی سے بہت ڈرتے تھے۔ آج بالکل انہی کا زمانہ ہے جس میں ہم اور آپ سب ہی موجود ہیں۔

ملا جیونؒ کو لوگ چھیڑا کرتے تھے واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ملا جیونؒ چارپائی پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ سالن میں نمک کچھ کم تھا ملا جیونؒ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ بیوی سے کہہ دیں کہ سالن میں نمک کم ہے۔ مگر کھایا نہیں جا رہا تھا کیا کریں۔ آہستہ آہستہ چارپائی سے اترنے لگے بیوی نے کہا کہاں جا رہے ہو۔

کہنے لگے کہ ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر چلے گئے اور سیدھے عالمگیرؒ کے پاس پہنچے۔ عالمگیرؒ نے کہا مولانا کیسے تشریف لانا ہوا؟ کہنے لگے کہ ایک معاملہ پیش آ گیا ہے جو تمہارے بغیر حل نہیں ہے۔ آپ اتنا کیجئے کہ تھوڑی سی فوج میرے ساتھ روانہ کر دیں۔

عالمگیرؒ نے کہا مولانا آپ کو فوج کی کیا ضرورت ہے؟ ملا جیونؒ نے کہا بس یہ نہ پوچھیے مجھے ضرورت ہے۔

عالمگیرؒ ملا جیونؒ کا بہت احترام کرتے تھے چنانچہ عالمگیرؒ نے چند فوجیوں سے کہا کہ تم مولانا کے ساتھ جاؤ دیکھو یہ میرے استاد ہیں ان کا احترام کرنا۔ ملا جیونؒ فوج لئے آ رہے ہیں کہ مکان پر کیوں؟ نمک کم ہے۔ گھر پہنچے چند فوجیوں کو مکان کے اطراف کھڑا کر دیا اور چند فوجیوں کے ہمراہ مکان کی چھت پر چڑھ گئے اور بیوی کو آواز دی۔

بیوی آنگن میں جب آئی تو یہ کہنے لگے تیری دال میں نمک کم تھا۔ بیوی نے دیکھا تو کہا ہاں کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔

ملا جیونؒ فوجیوں سے کہنے لگے چلو بات خیریت سے گزر گئی۔ اب تم واپس جاؤ۔

میرے دوستو! ہم میں اور آپ میں ہر شخص ملا جیون بنا ہوا ہے۔ بیوی جو کہے شوہر میاں منظور کرتے ہیں لیکن آج عورتوں میں جو بے پردگی آئی ہے وہ تو مردوں سے آئی ہے۔

میں نے یہ اصول بنائے رکھا ہے اور یہ کہا کرتا ہوں کہ داڑھی کا وعظ کرنا تو مردوں میں بے کار ہے۔ داڑھی کی فضیلت کا وعظ عورتوں میں کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ مردوں کی داڑھیاں عورتیں ہی منڈواتی ہیں۔ اسی طرح پردے کی فضیلت بیان کرنی ہو تو وہ عورتوں کے مجمع میں بیان کرنا بے کار ہے پردے کا بیان مردوں میں کرنا چاہئے اس لئے کہ عورتوں پر سے پردہ اٹھانے کے ذمہ دار مرد ہی ہیں۔ اکبر الہ آبادی کی رباعی یاد آ گئی۔

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں	اکبر زمین میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا	کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

یاد رکھیے بے پردگی کے ذمہ دار عورتیں نہیں مرد ہی ہیں۔ شادی بیاہ میں تقریبات میں حتیٰ کہ کاروبار میں بھی عورتوں کو منظر عام پر لانے والے مرد ہی ہوتے ہیں۔

آج آپ! بہت سے ایسے افراد کو دیکھیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ اجی ہم نے پورا انظام عورتوں کے سپرد کر رکھا ہے ہمیں اتنی فرصت کہاں ہے کہ ہم اس کا ذمہ لیں۔ ہم نے سب کچھ ان کے حوالہ کر دیا ہے آج یہ کہنا صحیح ہے کہ زندگی کا ڈیڑھ پہیہ عورتیں ہیں تو آدھا پہیہ مرد ہیں۔

میرے دوستو! ڈیڑھ پہیہ اگر بگڑ جائے تو بے چارے آدھے پہیہ کا کیا ہوگا۔ اس لئے میں ان خواتین کو جو اس علاقے میں اسلام کی عظمت کی محافظ ہیں اور ان حالات میں بھی پردے کی پابند ہیں اور اسلام کے اصول کی محافظ ہیں ان کو میں مبارکباد دیتا ہوں اس لئے کہ یہ خواتین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں شہزادیاں ہیں ان کی حیثیت اللہ و رسول کی نظر میں بہت اہم ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ آج بیان میں شرکت کے لئے خواتین کا بھی بندوبست کیا گیا ہے۔

میرے دوستو! آپ کے سامنے جس سورۃ کی میں نے تلاوت کی ہے اس سورۃ کی پوری تفسیر نہیں کروں گا اس سورۃ کے صرف ایک لفظ کے سلسلہ میں عرض کروں گا۔

اس سورۃ کا نام سورۃ عصر ہے مدنی وقت

عصر کے معنی آتے ہیں وقت۔ عصر کے معنی آتے ہیں عمر عصر کے معنی آتے ہیں نماز عصر کا وقت۔

قرآن کریم میں سورۃ عصر بھی ہے سورۃ فجر بھی ہے۔

یہاں کیا گئی ہیں۔ حضرت مولانا تھانوی نے یہاں لکھا ہے کہ جو مسلمانوں پہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ مسلمان کے پاس وقت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ انہیں شرم آنی چاہئے اس لئے کہ اللہ نے اس سورۃ میں زمانے کی قسم کھائی ہے۔

دیکھئے زمانہ ہمارے پاس اتنا بڑا سرمایہ ہے کہ اللہ اس کی قسم کھا رہے ہیں اور جس چیز کی قدر و قیمت ہوتی ہے اس کی قسم کھائی جاتی ہے۔ تا کہ قسم کے بعد جو بات کہی جائے اس پر فوراً یقین کر لیا جائے۔

مثلاً میں اگر کوئی بات سادگی کے ساتھ کہوں اور پھر وہی بات قسم کھا کے کہوں تو آپ یہی کہتے ہیں کہ مولوی صاحب کو شبہ تھا کہ کوئی میری بات کا یقین نہیں کرے گا اس لئے وہ قسم کھا کے کہہ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جب قسم کھا کر کوئی بات کہہ رہے ہوں تو اس کا مطلب یہ بھی تو ہوتا ہے کہ سننے والے انسان اس میں شک نہ کریں قسم کھا کر اس لئے تو کہہ رہا ہوں کہ تو سنتے ہی اس پر یقین کر لے۔

بہرحال۔ اللہ نے اس سورۃ میں قسم کھائی ہے۔

بعض نے عصر کے وقت کی قسم کا مطلب یوں بیان کیا ہے۔

فرمایا کہ آگے **الا الذین امنوا وعملوا الصٰلحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر ہ** کا پیغام ہے کہ جس میں چار چیزیں بیان کی گئی ہیں اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ اے سننے والے آدمی تیری زندگی کا آفتاب وقت عصر میں داخل ہو چکا ہے۔ آفتاب غروب ہونے کو ہے عصر کے بعد غروب ہونے میں ایک گھنٹہ یا سوا گھنٹہ ہوتا ہے اس سوا گھنٹے میں تو کیا کیا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اے انسان تیری زندگی کا آفتاب وقت عصر میں داخل ہو چکا ہے۔ تو نے اس میں دیر کی تو تیرا پروگرام پورا نہ ہو سکے گا۔

آپ نے دیکھا ہوگا پھلوں کی منڈیوں میں کہ جب مغرب کا وقت ہوتا ہے تو چند پھلوں کو علی الفور فروخت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے چاہے نفع کم ہی کیوں نہ ملے اس لئے کہ کل تک انہیں رکھا جائے گا تو وہ پھل خراب ہو جائیں گے اور کسی کے کام نہ آسکیں گے۔

اس سورۃ میں اللہ وقت عصر کی قسم کھا کر انسانوں پر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ تمہاری زندگی وقت عصر کی مانند ہے اور آفتاب جب وقت عصر میں داخل ہوتا ہے تو بہت جلد غروب ہو جاتا ہے۔

اسی طرح تمہاری یہ زندگی بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔

اس لئے موت سے پہلے پیش کردہ پروگرام پر عمل پیرا ہوں۔

جیسے ایک نوجوان تھا اس نے ایک بڑے میاں کو سلام کیا اور کہا کیسے مزاج ہیں؟ بڑے میاں نے کہا ہم تو چراغ سحری ہیں۔ چراغ چراغ کو کہتے ہیں سحری صبح کو کہتے ہیں۔

چراغ سحری وہ چراغ جسے مغرب کے وقت آپ نے جلایا جلتے جلتے اب صبح ہونے والی ہے اور وہ بجھنے والا ہے ساری رات جلے صبح بجھ لئے۔

وہ نوجوان ان سے بھی زیادہ عارف باللہ تھا۔ اس نے کہا خدا کا شکر ادا کیجئے کہ آپ تو چراغ سحری ہیں۔ ساری رات جل لئے ہم تو چراغ شام ہیں ابھی ابھی جلے ہیں۔ ہمیں خطرہ ہے کہ ہوا کا کوئی جھونکا آکر اسے بجھا نہ دے۔

میرے دوستو! ہم جو چراغ شام ہیں وہ بھی بجھ سکتے ہیں اور جو چراغ سحری ہیں وہ بھی بجھ سکتے ہیں۔

ہر آدمی کو سوچنا چاہئے کہ چاہے چراغ ابھی جلا ہو چاہے ساری رات جل چکا ہو بہر حال چراغ کو بجھنا ہی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں قرآن کی اس آیت کے لفظ کے معنی سمجھ میں نہیں آئے تھے کہ اللہ نے یہاں عصر کی قسم کیوں کھائی ہے۔ لیکن فرمایا رایت باعی الثلج فی سکة المدینة مدینہ میں برف بیچنے والے کو دیکھا تو اس کے معنی سمجھ میں آ گئے۔

اور آپ جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں برف کے کارخانے نہیں ہوتے تھے مگر اولے جو پڑا کرتے تھے انہیں زمین میں دفن کر دیا جاتا تھا اور گرمیوں میں انہیں نکال کر فروخت کیا جاتا تھا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں وہ برف بیچنے والا آواز لگا رہا ہے؟

اور یہ بات ہے کہ بہت سے مال ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں فروخت کرنے کے لئے شاعرانہ انداز سے آواز لگائی جاتی ہے۔

مجھے یاد ہے دہلی میں ککڑیاں بیچنے والا ایک آواز لگا رہا تھا کہ

لے لو لیلیٰ کی انگلیاں مجنوں کی پسلیاں

لیلیٰ کی انگلیاں بھی پتلی پتلی ہوتی ہیں اور مجنوں کی پسلیاں بھی پتلی پتلی ہوتی ہیں۔

مدینے کی گلیوں میں وہ آواز لگا رہا تھا کہ

ارحموا من يذوب راس ماله

اے لوگو! اپنے اپنے گھروں سے جلدی جلدی نکلو میرا وہ مال ہے جو ایسا نازک ہے کہ اگر تم نے نکلنے میں دیر کی تو میرا یہ مال پگھل پگھل کے ختم ہو جائے گا۔ مجھے کچھ نہ ملے گا۔

جس کا مال اتنا نازک ہو تو اس میں رعایت کرنی چاہئے۔

بھائی جلدی سے نکلو اور اسے خرید لو۔

میرے دوستو! انسان کی زندگی برف کی سل ہے۔ قطرہ قطرہ ٹپک رہا ہے چاہے امیر ہو چاہے غریب چاہے عالم ہو چاہے جاہل۔ سب کی زندگی ایک برف کی سل ہے۔

حضرت تھانویؒ نے واقعہ لکھا ہے کہ جب شروع شروع برف چلی تو ایک صاحب نے برف کا ایک ٹکڑا بیوی کو روانہ کیا کہ اس کو استعمال کرے بیوی نے تو برف کو دیکھا نہ تھا اس نے سوچا کوئی قیمتی چیز ہے اس خیال سے صندوق میں رکھ دیا کہ [illegible] جب شوہر صاحب آئیں گے تو سب مل کر کھائیں گے شوہر صاحب آئے۔ دریافت کیا کہ برف کہاں گئی اس نے کہا کہ آپ کے لئے ہم نے اٹھا رکھی ہے۔ اس نے کہا لاؤ جب گئے تو دیکھو حضرت تھانویؒ کے الفاظ ہیں فرمایا۔

کفن موجود مردہ غائب۔

مردہ تو بھاگ گیا کفن موجود ہے۔ یعنی برف تو نہیں ہے وہ ٹاٹ موجود ہے۔

میرے بھائی! زندگی برف کی سل ہے قطرہ قطرہ اس میں سے ٹپک رہا ہے۔ اے انسان تو نے دیر کی تو زمانہ تجھ پر ترس نہیں کھائے گا۔ بقول شاعر کے۔

تھا اگر تو شریک محفل قصور تیرا ہے یا کہ میرا

مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ

زمانہ کہہ رہا ہے کہ میں کسی کی رعایت کر کے چلنے سے بند نہ ہوں گا۔ میرا کام تو یہ

لمحہ چھپتا ہے اور ٹھیک ٹھیک کے ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس سلسلہ میں یہ لکھا ہے اور اسی وجہ سے میں نے یہ آیت تلاوت کی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ نے زمانے کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ سب سے زیادہ مسلمانوں کو زمانے کی نیرنگیوں سے نقصان ہوتا ہے۔

آج نوجوانوں کا کیا حال ہے۔

آپ کے یہاں اللہ کا فضل ہے لیکن باہر نکل کر دنیا میں دیکھیے کتنے ازم نکلے ہیں۔ بہت سے ازم نکلے ہیں ان میں سے ایک ہی ازم بھی نکلا ہے۔

بال لمبے لمبے رکھو! آج نوجوان طبقہ اس ہی ازم میں بہہ رہا ہے۔ بال ایسے اور لباس ایسا کہ لڑکا اور لڑکی میں کوئی فرق نہ ہو کبھی کبھی کسی شریر آدمی کو شبہ ہو جاتا ہے لڑکے کو دیکھ کر کہ یہ کوئی خاتون جا رہی ہے۔

یورپ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک ہی نو عمر لڑکا ہوٹل میں داخل ہوا وہ وقت کام کا نہ تھا منیجر نے دیکھا کہ کوئی لڑکی آتی ہے وہ اسے کمرے میں لے گیا اس لڑکے کو یہ محسوس ہوا کہ شاید اس کی نیت غلط ہے اس نے کہا آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے میں مرد ہوں عورت نہیں۔ اس نے کہا کہ آپ نے تو مجھے مایوس کر دیا۔

میرے دوستو! آج مردوں نے وہ انداز بنا لئے ہیں کہ وہ عورتیں معلوم ہوں اور عورتوں نے وہ انداز بنائے ہیں کہ وہ مرد معلوم ہوں جب یہ کہا جائے کہ ایسا کیوں کہتے ہیں کہ زمانہ یہی کہتا ہے ہم زمانہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں زمانہ کے ساتھ چلیں گے تو ہی ہم ترقی کر سکتے ہیں۔ زمانہ کہے آپ ناچیے تو ناچیے زمانہ کہے آپ شراب پیجئے تو شراب پیجئے۔ زمانہ کہے بے پردگی اختیار کیجئے تو بے پردگی اختیار کیجئے آپ تو ترقی یافتہ ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے کہا ہے۔

دوا ترقی کی میں نے دیکھی بصد ادب ہے یہی گزارش
مرض ترقی کرے گا اس سے مریض اچھا نہ ہو سکے گا

میں نے آپ کی ترقی کا نسخہ پڑھ لیا ہے لے لیجئے۔ یہ آپ کے حوالے ہے۔
اس نسخے سے مرض کی تو ترقی ہوگی مگر مریض اچھا نہ ہوگا۔ آپ نے یہ کیسی دوا تجویز

کی ہے کہ زمانے کے ساتھ چلو۔

میرے دوستو! زمانے کی نیرنگیوں کو دیکھ کر نوجوان کا دل اسلام سے ہٹ رہا ہے۔ آج کوئی گھر ایسا نہیں جہاں ٹی وی نہ ہو۔ جہاں فلم کے سامان نہ ہوں کوئی گھر ایسا نہیں جہاں گانے بجانے کے سامان نہ ہوں۔ آج کوئی گھر ایسا نہیں جہاں بے حجابی اور بے پردگی نہ ہو۔

میرے دوستو! اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ زمانے کو اپنے ساتھ لے چلیں۔ اسلام زمانے کے ساتھ چلنے کی تعلیم دینے نہیں آیا ہے کہا گیا ہے۔

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز زمانہ آپ کے ساتھ نہیں چلتا ہے تو نہ چلے آپ زمانے کا مقابلہ کیجئے۔ رو میں بہہ جانا تنکوں کا کام ہے معمولی معمولی چیزوں کا کام ہے۔ خس و خاشاک کا کام ہے کہ وہ زمانے کی رو میں بہہ جائے۔ مسلم قوم زمانے کی رو میں بہنے کے لئے نہیں آئی ہے وہ تو زمانے کو اپنے ساتھ لے چلنے آئی ہے۔ لیکن افسوس کہ آج ہم زمانے کی رو میں بہے جا رہے ہیں ایک وہ دور تھا جس میں غیر قوم مسلمانوں کی تہذیب مسلمانوں کا تمدن مسلمانوں کا لباس اپنانا چاہتی تھی اور آج ہم دوسری قوموں کے اثرات اور ان کی تہذیب و تمدن کو اپنا رہے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں عیسائیوں نے کہا امیر المومنین ہمیں مسلمانوں کا لباس اچھا لگتا ہے اسے استعمال کرنے کی اجازت دیجئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نہیں کیوں؟ تاکہ مسلم قوم اور غیر قوم میں واضح امتیاز رہے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی۔

میرے دوستو! غیر قوم آپ کی نقل اتارنا چاہتی تھی لیکن ہم اور آپ غیر قوم کی نقل اتار رہے ہیں اور اس پر فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم زمانے کے ساتھ ہیں ہم ترقی یافتہ ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاہان عجم کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں آپ کے لقمے میں سے ایک ذرا سا ریزہ گر گیا آپ نے اسے اٹھا کر کھا لیا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جو بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے آپ نے یہ کیا کیا آپ نے تو شاہان عجم کے مزاج کے خلاف کیا ہے۔ حضرت انسؓ کو جلال آ گیا فرمانے لگے میں کیا جانوں ان سلاطین عجم کو مجھے تو ان کی پروا نہیں ہے۔ میں تو صرف ایک ہی بادشاہ کو جانتا ہوں

اور وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

میری آنکھوں نے آپؐ کو دیکھا ہے کہ آپ کے لقمے سے ریزہ گرا تو آپؐ نے اسے اٹھا کر کھالیا۔

میرے دوستو! زمانے کے ساتھ چلنا مسلمان کا کام نہیں ہے۔ مسلمان ترقی کرے گا اسلام کے طریقے پر چل کر نصاریٰ اور یہود کے طریقے پر چل کر نہیں۔

ہمارے ایک دوست اسد ملتانی شاعر ہیں انہوں نے ایک شعر کہا ہے۔

کی مسلماں نے ترقی جو فرنگی بن کر
یہ فرنگی کی ترقی ہے مسلماں کی نہیں

زمانے کی رو میں بہہ کر آپ فرنگی تو بن گئے یہ تو فرنگی کی ترقی ہوئی مسلمان کی کہاں ترقی رہی۔

بہرحال اللہ نے زمانے کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ زمانے کی روش سے زمانے کی نیرنگیوں سے نقصان ہوتا ہے اس لئے آپ زمانے کے طور طریقوں کو اور اس کی نیرنگیوں کو نہ دیکھیں آپ یہ دیکھئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے! آپ کا طریقہ کیا ہے۔ اور مضبوطی کے ساتھ آپؐ کی راہ اپنایئے۔ انشاء اللہ زمانہ آپ کے ساتھ ہوگا۔

خاص طور پر میں عورتوں کے لئے عرض کرتا ہوں اور میری یہ رائے ہے کہ قوم میں دینداری آتی ہے تو ماؤں ہی سے آتی ہے اسی طرح بے دینی آتی ہے تو بھی ماؤں ہی سے آتی ہے۔

بعض صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ میں قوت خطابت ہے۔ آپؐ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کس خاتون کا دودھ پیا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خاندان بنو سعد کی ایک نیک خاتون حلیمہ سعدیہؓ کا دودھ پیا ہے۔

یہ اس کی تاثیر ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ماں متقی پرہیزگار نیک صالح ہو اور وہ اپنی اولاد کو دودھ پلا رہی ہو تو اس بچے میں دودھ ہی نہیں جاتا ہے بلکہ اس دودھ کے ساتھ ایمان کی روشنی بھی جاتی ہے۔

ماں اگر بے دین ہے اور اس کے دل میں خوف خدا نہ ہو اور وہ دودھ پلا رہی ہے تو اس

کے سینے سے بچے کے اندر دودھ کے قطرے ہی نہیں جا رہے ہیں بلکہ ان قطروں کے ساتھ بے دینی بھی جاتی ہے۔ ہم نے یہ دیکھا ہے کہ قوم بنتی ہے عورتوں سے قوم بگڑتی ہے عورتوں سے۔

بہر حال عورتیں ہمارے نزدیک دو طرح سے محترم ہیں۔ یہ کہہ کر میں معذرت چاہوں گا۔

میرے دوستو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کو فضیلت دی ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب بچے کی پیدائش ہوتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ ہاتھ کام کر رہے ہیں نہ پیر کام کر رہے ہیں حالانکہ پیدا شدہ بچے کی حیثیت بس یہ ہے کہ وہ ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اسی لئے اس موقع پر بہت سی مائیں کہتی ہیں کہ اسے صحن میں نہ لٹاؤں کہیں چیل اسے اٹھا نہ لے جائے۔

اس گوشت کے ٹکڑے کو ماں پال کے پرورش کر کے اچھی اچھی عادتیں ڈال کر باکمال اور عظیم المرتبت شخصیت بناتی ہے اور یہ کارنامہ باپ کا نہیں ماں ہی کا ہے۔

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کو فضیلت دی ہے اور یہ بات ہے کہ اسلام نے کہیں عورتوں کا درجہ بڑھایا ہے تو کہیں مردوں کا حضرت مولانا تھانویؒ نے ایک مقام پر یہ مسئلہ بیان کر دیا۔ فقہا نے تو بیان کیا ہی ہے۔ کہ کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو تو عورت کی ذمہ داری نہیں کہ وہ بچے کو دودھ پلائے چاہے تو وہ دودھ پلانے سے انکار کر سکتی ہے۔

حضرت تھانویؒ کے پاس لوگ آئے اور کہنے لگے کہ حضرت آپ نے ایسا بیان دیا ہے اس کے بعد سے تو ہر عورت کہتی ہے کہ لو اپنے بچے کو سنبھالو۔ لو اپنے بچے کو سنبھالو۔ مصیبت آ گئی ہے ہمارے سر۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا اچھا آج کے وعظ میں کچھ اور بھی کہوں گا۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ بیوی بیمار ہو جائے تو علاج کرانا مرد کے ذمے نہیں ہے۔ فرمایا جب عورتیں یہ کہیں کہ لو اپنے بچے کو سنبھالو تو تم کہہ دیا کرو کہ تو بیمار ہو گی تو علاج نہ کراؤں گا۔ بھائی یہ مسائل تو از راہ محبت حل کئے جاتے ہیں۔

خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کہیں کہیں عورتوں کے مرتبے کو بڑھایا گیا ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔ فان الجنة تحت اقدام امهاتكم ۔ کیا آپ نے کہیں یہ پڑھا ہے کہ

جنت باپوں کے قدموں کے نیچے ہے۔ ہماری بچی نے جب یہ سنا تو کہنے لگی کہ ہماری امی
کے قدموں تلے جنت ہے اور ابا کے قدموں تلے چپل ہیں۔

ٹھیک کہا اس نے مگر سوال یہ ہے کہ عورتوں کے مرتبے کو کیوں بڑھایا گیا ایک اور
مقام پر ماں کے مقام کو بڑھایا گیا ہے۔

دیکھئے آپ جو زبان بولتے ہیں اسے مادری زبان کہتے ہیں پدری کیوں نہیں کہتے ہیں؟

ایک اسکول میں انسپکٹر صاحب نے ایک بچے سے سوال کیا بیٹا کہو تمہاری زبان کو
مادری کیوں کہتے ہیں۔ اس بچے نے جواب دیا کہ ہماری امی جان اتنا بولتی ہیں
کہ ہمارے ابا کو بولنے ہی نہیں دیتی ہیں۔ زبان کو مادری کہا جاتا ہے۔

جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے کہا جاتا ہے کیوں؟

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ خلفائے بنو عباسیہ کے زمانے
میں ایک گھٹیا درجے کے آدمی کو تمنا ہوئی کہ میں بادشاہ کے ہاں پرسنل اسٹاف میں داخل ہو
جاؤں خواہ جوتوں کی صفائی کا کام ہی کیوں نہ ہو۔ یا وہاں جھاڑو دینے کا کام ہی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ اس نے خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نوکری چاہتا ہوں۔
لیکن ویسے نوکری نہیں۔

میں تو آپ کے ذاتی عملہ میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔

خلیفہ نے کہا کہ ہمارے اسٹاف میں داخل ہونے کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے
دیکھو بغداد میں مدرسہ نظامیہ ہے وہاں چلے جاؤ یہ وہ زمانہ ہے جس میں وہاں امام غزالیؒ
پڑھاتے تھے اس نے کہا جیسے آپ کہیں۔

یہ گیا پڑھنے کے لئے یوں تاکہ نوکری مل جائے۔ سال بھر وہ وہاں ارباب اللہ والوں
کی صحبت میں رہا ایک سال کے بعد خلیفہ وقت نے اسے بلایا اور اس سے انٹرویو لیا تو اس
میں اسے قابلیت نظر آئی۔

خلیفہ وقت نے کہا اب میں تجھے اپنے ذاتی اسٹاف میں داخل کرلوں گا۔

وہ آدمی جس نے کہا تھا کہ میں آپ کے ذاتی اسٹاف میں داخل ہونا چاہتا ہوں وہ

اسی کو وہ اپنی ترقی کی معراج سمجھتا تھا اب وہ یہ کہتا ہے شاہ صاحب کی زبان میں سنئے۔

وقتے کہ من قابل خدمت شما بودم   شما خدمت مرا قبول نہ کردے

جس وقت میں نے آپ سے ملازمت کی درخواست کی تھی اس وقت میں اتنا گھٹیا انسان تھا کہ آپ نے میری خدمت کو قبول نہ کیا اور اب میں بزرگوں کی صحبت میں رہ کر اللہ کی خدمت کے قابل بن چکا ہوں اب آپ درخواست بھی کریں تو میں آپ کی درخواست کو قبول نہ کروں گا۔

میرے دوستو! ایمانداری سے بتائیے کہ اتنے گھٹیا درجے کے آدمی کو اس قدر بڑھیا آدمی کس نے بنایا۔ استاد کی تعلیم ہی نے تو ایسا بنایا ہے۔ استاد کی تربیت ہی نے تو ایسا بنایا ہے۔ اسی طرح ماں گوشت کے ٹکڑے کو ایک قابل انسان بناتی ہے۔ اچھی اچھی عادتیں اس میں پیدا کراتی ہے بچے کو جب سلاتی ہے تو اسلام کا کلمہ یاد کراتی ہے۔ سورتیں یاد دلاتی ہے۔ سیدھے ہاتھ سے کھلا سکتی ہے۔ دہاں بیٹھو یہاں نہ بیٹھو کہتی ہے۔ بڑوں کا ادب کرا سکتی ہے۔ چھوٹوں پر شفقت کرا سکتی ہے اس طرح ماں ایک بچے کو اعلیٰ درجے کا مہذب انسان بناتی ہے۔

اس لئے ماں کو فضیلت دی گئی ہے۔

اسی لئے میں نے عرض کیا کہ دین داری آتی ہے تو عورتوں کی جانب سے اور بے دینی آتی ہے تو عورتوں کی جانب سے۔

عام طور پر بے دینی کا راستہ ایک ہی ہے۔ جب خواتین بے پردگی اور بے حجابی اختیار کر لیتی ہیں تو ان میں بے دینی آتی ہے۔ ایسی صورت میں ان کی گودوں میں پرورش پانے والی لڑکیاں اور لڑکے بھی دین سے خالی ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے نوجوان کہتے ہیں اصلی پردہ تو آنکھ کا ہے۔ کپڑے تو پہن رکھے ہیں اور پردہ کیا ہے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔

میرے دوستو! اسلام میں دو قسم کا پردہ ہے ایک ستر ایک حجاب۔ محرم جن سے نکاح جائز نہیں ہے لیکن ان سے بھی ستر ضروری ہے۔ بیٹی باپ کے سامنے ستر کا لحاظ کئے بغیر نہیں آ سکتی ہے۔

غیر محرم جن سے تو نکاح جائز ہے لیکن ان سے مکمل طور پر حجاب اور پردہ ضروری ہے۔ حجاب کے معنی یہ ہیں کہ سر سے پیر تک ایسی چادر ہو کہ جس سے سارا بدن چھپا رہے۔

اسلام کے اس حکم کا احترام جب تک عورتوں میں رہے گا میں سمجھوں گا کہ وہ عورتیں اسلام کی پاسبان ہوں گی نسل کی محافظ ہوں گی مسلم قوم کی نگران ہوں گی۔ خدا نہ کرے کہ ان سے دینداری اور حجاب نکل جائے۔

الحمدللہ بنگال میں بھی عورتوں میں پردہ ہے۔ صوبہ سرحد میں بھی عورتوں میں پردہ ہے۔ سوتھ انڈیا میں بھی پردہ ہے یہی وجہ ہے کہ ان علاقوں میں خصوصیت سے نوجوانوں میں بھی دین کا احترام اور خوف پایا جاتا ہے۔

میں نے بتایا تھا کہ اللہ نے زمانے کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ دیکھو یہی زمانہ ہے جو تمہیں نقصان پہنچاتا ہے۔

اس لئے تم زمانے کی رفتار میں نہ بہہ جانا تم زمانے کی نیرنگیوں کو اختیار کرنے نہیں آئے ہو زمانے کی روش پہ چلنے کے لئے نہیں آئے ہو۔ تمہارے سامنے بس ایک ہی اسوہ ہے وہ ہے اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے سنت رسول طریقہ رسول اسلام کی جزیات اور اسلام کی تعلیمات یہ چند کلمات تھے جو میں نے خواتین کے لئے خاص طور پر عرض کئے ہیں۔

دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ساتھ ساتھ ان بزرگوں کے لئے بھی دعا کیجئے جو اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں ان کے لئے ایصال ثواب فرمائیں اور مغفرت کی دعا فرمائیں۔

اے اللہ اس بستی کے مسلمانوں میں سے جتنی عظیم شخصیتیں اور نیک مسلمان جنہوں نے قوم میں بڑی خدمات انجام دی ہیں اور جتنے مسلمان مرد اور عورتیں اس درمیان انتقال کر چکی ہیں سب کی مغفرت فرما۔

جوار رحمت میں ان کو جگہ عطا فرما / علیین میں ان کو مقام عطا فرما

اے اللہ ہمیں اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ ہماری ماؤں اور بہنوں کو وقت کے سیلاب سے مقابلہ کرنے کی توفیق عطا فرما۔

وقت کے سیلاب میں بہنے سے ان کی حفاظت فرما۔

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین
والحمد للہ رب العالمین۔

معیارِ عدل کا تحفظ

خطاب نمبر ۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لاالٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولٰنا محمداً عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و الہ و اصحبہ اجمعین

امابعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون و اذا کالوھم اوروزنوھم یخسرون (پ۳۰ نمبر۳ سورۃ تطفیف ع۸)

صدق اللہ مولٰنا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین و الشاکرین والحمد للہ رب العلمین

بزرگان محترم اور برادران عزیز

کل سے میری آواز اور میرے گلے پر کچھ اثر ہے ٹھنڈا پانی پینے کی وجہ سے شاید یہ اثر ہوا ہے۔ اس کے پیش نظر آپ کے سامنے جتنی بہ آسانی سے بیان کر سکوں تو آج وہی بیان جاری رکھوں گا پھر آپ سے معذرت چاہوں گا۔ عام طور پر فجر کی نماز کے بعد والا وقت بڑا سہانا وقت ہوتا ہے اس وقت انسانوں کے دلوں میں اور ان کے قلوب میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ شریعت اسلامیہ کے احکام نہایت ہی حکیمانہ ہیں۔ چنانچہ قرآن میں بعض سورتیں لمبی ہیں بعض سورتیں درمیانی ہیں بعض سورتیں بہت مختصر ہیں۔ بعض سورتیں ایسی ہیں جن میں صرف دو یا تین ہی آیتیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے لمبی سورتیں فجر میں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ طوال مفصل کہلاتی ہیں۔ فجر میں لمبی سورتیں پڑھی

جو تی ہیں اس لئے کہ یہ وقت نبوت کا ہوتا ہے دلوں کی صلاحیت کے اجاگر ہونے کا ہوتا ہے۔
قرآن کریم نے اس وقت کے بارے میں فرمایا ہے اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی
غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہودا (پ ۱۵ ع ۹)

یہ وقت مشہود ہے۔ مشہود کے معنی یہ ہیں کہ رات کے فرشتے ابھی گئے نہیں کہ دن
کے فرشتے آ گئے اس وقت میں تمام فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

فرشتوں کے ہجوم کی وجہ سے انسانوں کے دل موم اور نرم ہو جاتے ہیں جیسا کہ
رمضان کی شب قدر میں فرشتوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ فرمایا گیا۔

انا انزلنه فی لیلة القدر وما ادرک ما لیلة القدر لیلة القدر خیر
من الف شهر تنزل الملئکة والروح فیها باذن ربهم من کل امر
سلٰم هی حتی مطلع الفجر (پ ۳۰ ع ۲۲)

فرمایا کہ شب قدر میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے اتنی تعداد میں فرشتے آتے ہیں کہ زمین
فرشتوں سے بھر جاتی ہے اتنے فرشتے کیوں آتے ہیں؟ کیا کوئی میلہ ہے یا کوئی جشن ہے؟

علمائے ربانیین نے اس کی حکمت لکھی ہے۔

فرمایا کہ اللہ نے جب زمین میں انسانوں کو پیدا کرنا چاہا اور اس کی خبر فرشتوں کو دی کہ میں ایسی
مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہوں جو با اختیار ہو تمہاری طرح مجبور نہ ہو کہ وہ اللہ کے احکامات نافذ کر سکے

اور اللہ کی خلافت کو زمین میں جاری کر سکے۔

اس موقع پر ملائکہ نے کیا کہا تھا آپ کو یاد ہوگا۔

انسانی مخلوق کے سلسلے میں تو اختلاف کیا گیا اور کہا گیا کہ انہیں پیدا کرنے کی
ضرورت نہیں ہے۔

جنہوں نے اختلاف کیا تھا وہ کون تھے وہ فرشتے تھے یا آپ کے بزرگ حضرات ہیں۔

فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا

کہ آپ دنیا میں ایسوں کو اور مفسدوں کو پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ دنیا میں آئیں گے
تو فساد مچائیں گے۔

لوگوں کے گلے کاٹیں گے، وہ قتل کا ارتکاب کریں گے خون بہائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب
میں ارشاد فرمایا کہ جو بات ہم جانتے ہیں اسے تم نہیں جانتے ہو لیکن ہم ایک مخلوق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔
چنانچہ اللہ نے اس مخلوق کو پیدا فرمایا۔

آج رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ اس میں ملائکہ لاکھوں کی تعداد میں چلے آ
رہے ہیں۔ کیوں آ رہے ہیں۔ آج اللہ تعالیٰ فرشتوں کو دکھانا چاہتے ہیں کہ دیکھو تم نے کہا
تھا کہ فسادی مخلوق کو پیدا نہ کریں۔ قاتلوں اور ڈاکوؤں کو پیدا نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ آج زمین پہ چلو تمہیں معلوم ہوگا کہ جن کو تم خونی کہتے
تھے جن کو تم فسادی کہتے تھے آج وہ اپنے بستروں کو چھوڑ کر اللہ کی یاد میں مصروف ہیں۔ آج وہ سجدہ
میں گرے ہوئے ہیں۔ آج وہ خدا کے سامنے گڑگڑا کر دعا مانگ رہے ہیں۔ یہی تو وہ مخلوق ہے
جس پر تم نے اعتراض کیا تھا آج دیکھو یہ مخلوق کس قدر پیاری لگ رہی ہے کس قدر خدا کی
عبادت کی طرف متوجہ ہے۔ دیکھو کہ آج یہ لاکھوں کی تعداد میں مسجدوں میں جمع ہو رہے ہیں۔

فرشتے دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ انسان بڑا قاتل ہوگا لیکن
کیا کریں کہ اس قرآن نے انسانوں کو کیا بنا دیا ہے کہ آج ہم فرشتے بھی ان پر رشک کر
رہے ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کسی عارف نے کہا ہے۔

گاہ رشک برد فرشتہ بر پاکئی ما

کبھی ہم اور آپ اتنے پارسا متقی اور پرہیزگار بن جاتے ہیں کہ فرشتہ دیکھتا ہے تو
کہتا ہے ماشاء اللہ یہ تو ہم سے بھی آگے ہیں۔

آگے فرمایا۔

گاہ خندہ زند دیو ز ناپاکئی ما

اور کبھی انسان اس قدر بغاوت پر اتر آتا ہے کہ شیطان دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھ
سے بھی دو جوتے آگے ہے۔

گاہ رشک برد فرشتہ بر پاکئی ما — گاہ خندہ زند دیو ز ناپاکئی ما
ایماں چوں سلامت بہ لب گور بریم — احسنت بریں چستی و چالاکئی ما

فرمایا اصل بات یہ دیکھنا ہے کہ قبر تک ایمان سلامتی کے ساتھ کون لے جاتا ہے۔
آپ کے ذہن میں کبھی جدید بغدادی بننے کے خیالات آتے ہیں تو کبھی اصمعی بننے
کے خیالات آتے ہیں۔ خیالات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اصل دیکھنا یہ ہے کہ ہم قبر تک اپنے
ایمان وسلامتی کے ساتھ لے جاتے ہیں یا نہیں۔
بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ فجر کی نماز کا وقت بڑا سہانا وقت ہوتا ہے اس وقت
میں انسانی قلوب کی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔
عام طور پر ایسے وقت میں درس قرآن کے نام سے کچھ آیتیں یا نصیحتیں پیش کی
جاتی ہیں تو امید ہے کہ یہ زیادہ کارگر ہوگا۔
میں نے بھی آپ کے سامنے ایک لمبی سورۃ کے ابتدائی دو جملے نقل کئے ہیں۔ اس
سورۃ کے دو نام ہیں ایک نام تطفیف ہے اور ایک نام مطففین ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ یعنی آپ کی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔
ایک حصہ کا نام ہے مکی زندگی اور ایک حصہ کا نام ہے مدنی زندگی۔
تیرہ سال مکہ میں آپؐ نے قیام کیا اور دس سال مدینہ میں۔ آپؐ کی نبوت والی زندگی
کل تئیس سال ہے۔
اس مختصر سی مدت میں آپؐ نے ایسا عظیم انقلاب پیدا کیا کہ انسانوں کی تاریخ میں
ایسے انقلاب کی مثال نہیں ملتی ہے۔
تئیس سال کی مدت قوموں کی زندگی میں پلک جھپکتے گزر جاتی ہے اور اس کی کوئی
حیثیت بھی نہیں۔ مگر تئیس سالہ زندگی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرانے
والوں کو صاحب تخت و تاج بنا دیا۔
جن میں دنیا کی ساری خرابیاں تھیں وہ اقوام عالم کے امام بن گئے اور معلم اخلاق بن گئے۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو مستقل مذہب دیا ہے۔ مستقل تہذیب
دی ہے مستقل تمدن دیا ہے۔ فرمایا گیا۔

ضو فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا — دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے — کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

بہرحال آپ کی زندگی کے تیرہ سال مکے کے اور دس سال مدینے کے اور جو کتاب قرآن کریم آپ پر نازل ہوئی وہ بھی دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے ایک حصہ کا نام مکی ہے اور ایک حصہ کا نام مدنی۔

کچھ سورتیں مدنی ہیں اور کچھ سورتیں مکی ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو سورتیں مکے میں اتری ہیں وہ مکی ہیں اور جو مدینے میں اتری ہیں وہ مدنی ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ ہجرت سے پہلے جو سورتیں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں اور ہجرت کے بعد جو نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں۔ چاہے وہ مدینے میں اتری ہوں یا مدینے سے باہر۔ جس سورۃ کی میں نے تلاوت کی ہے یہ وہ سورۃ ہے جس کے بارے میں کچھ لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ مکی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مدنی ہے۔ تیسری رائے یہ بھی ہے کہ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی جب آپ ہجرت فرما کر مدینے کی طرف جا رہے تھے تو راستے ہی میں یہ نازل ہوئی۔

مدینے پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ اللہ نے یہ سورۃ نازل کی ہے۔

قرآن کی حکمت کا انداز ہ لگایئے کہ جہاں جن احکامات کی ضرورت پیش آئی وہاں وہ احکام آ گئے۔

اور عقل و فہم کا بھی یہی تقاضا ہے اور حکمت و مصلحت کا بھی یہی تقاضا ہے جیسے آپ کے شہر میں کوئی حکیم ہو اور آپ اس سے علاج کرائیں۔ وہ آپ سے نسخہ لکھتے ہوئے کہے کہ تربان مت کھانا۔ آپ دریافت کرتے ہیں کہ حکیم صاحب وہ کیا چیز ہے حکیم صاحب نے کہا کہ وہ ایک پھل ہے جو برما میں ہوتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ نسخہ آپ لاہور میں لکھ رہے ہیں اور اس پھل کو مت کھاؤ کہہ رہے ہیں جو یہاں نہیں ہوتا ہے۔ پرہیز کرانے کا کیا مطلب ہے۔ بے موسم آپ نے بات کی ہے ہاں جو پھل یہاں دستیاب ہے جیسے آم اگر

حکیم صاحب نے کہا کہ آم نہ کھاؤ تو بات سمجھ میں آ گئی۔

اس مثال کو یہ سمجھانا مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس سے بیماری آئے اور جسم خراب ہوتا ہو اس سے پرہیز والی بات صحیح اور ٹھیک ہے اور ایسا ہی کہنا بھی چاہیے۔

اسی طرح روحانی و اخلاقی علاج ہوتا ہے۔

جب تک آپ مکہ مکرمہ میں موجود تھے تو زیادہ تر آپ پر قوم کی اصلاح کے لئے توحید کے مضامین والی سورتیں نازل ہوئیں کیونکہ مکہ میں مشرک آباد تھے۔ مکہ میں کفار آباد تھے۔ اس لئے یہاں ایسے مضامین اور ایسے احکامات کی ضرورت تھی جن میں توحید و رسالت اور اللہ کی ذات و صفات اللہ کے اختیارات اور آخرت میں جزا و سزا کے متعلق تعلیم دی گئی ہو اس لئے کہ مشرکین جزا و سزا کو مانتے نہیں تھے۔ اس لئے عرب کے شاعر نے آخرت کے عقیدوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا ہے۔

حیاۃ ثم موت ثم بعث　　　　حدیث خرافۃ یا ام عمرو

وہ کہتا ہے کہ ایسے افراد پیدا ہو چکے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ دنیا کی زندگی ہے موت ہے پھر دوبارہ حساب و کتاب کے لئے اٹھایا جائے گا۔ اے عمرو کی ماں تجھے کیا معلوم ہے یہ تو بس بکواس کی باتیں کرتے ہیں۔

یہ ان کفار و مشرکین کے خیالات تھے۔

ان حالات کے پیش نظر مکے میں زیادہ تر توحید کے مضامین کی سورتیں نازل ہوئی تھیں لیکن جب آپ مدینہ گئے تو وہاں کی بیماری الگ تھی تو اب یہاں کا پرہیز بھی الگ ہوگا۔

ان دنوں مدینے میں کچھ یہود آباد تھے یہ دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند اور سب سے زیادہ بڑی جزا و سزا واقع ہوتی ہے یہ آخرت کو مانتے تھے۔

یہود کے چند خاندان ایسے تھے جو مدینہ میں یہ کہہ کر بس گئے کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ جہاں کھجور کے درخت ہوں گے وہاں نبی آخر الزماں آئیں گے ہم ان کا انتظار کریں گے اور ان پر ایمان لے آئیں گے لہذا انہیں یہاں ٹھہرنے کی اجازت دی جائے اس طریقے سے یہود مدینہ میں بس گئے لیکن مدینہ ان کا وطن نہیں تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان یہود نے سازشیں کیں اور مدینہ سے نکال دیئے گئے۔ بہرحال جب

و مدینہ آئے تو اس وقت مدینہ میں بڑے بڑے دولت مند سود خور اور صاحب ثروت
جود تھے۔ ان میں کا ہر فرد الگ الگ بیماری میں مبتلا ہے غریب کی بیماری اور ہے امیر کی
ی اور ہے۔ غلام کی بیماری اور ہے آزاد کی بیماری اور ہے۔

یہ اہل دولت جو مدینہ میں تھے مال کی محبت کی وجہ سے ان میں ایک بیماری تھی آپ
تے ہیں کہ لین دین کے تین طریقے ہیں۔

تولنا ناپنا پیمائش کرنا۔

بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو ترازو میں تولا جاتا ہے۔

اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو ناپا جاتا ہے اور جن کا پیمانہ ہوتا ہے جیسا کہ آج
ہمارے ہاں پاؤ بھر دودھ کا پیمانہ ہے۔ اس کو آپ نے اندر ڈالا اور دودھ دیا۔ عرب
بھی پیمانے کا طریقہ تھا کہ جس سے چاول اور دال بھرا جاتا اور دیدیا جاتا۔

اسی طرح بعض چیزیں کاٹنے سے تولنے کی ہوتی ہیں مگر بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن
ترازو میں تولا جا سکتا ہے اور نہ انہیں پیمانہ میں رکھا جا سکتا ہے ہاں فیتے کے ذریعے ان کی
ائش کی جاتی ہے۔

جیسے آپ زمین کو فروخت کریں۔ زمین کو لے جا کر ترازو میں تو نہیں رکھ سکتے ہیں
اسے کسی پیمانہ میں تو نہیں رکھ سکتے ہیں آپ بس آپ نے یہ کیا کہ فیتہ لیا اور اس کے
معلوم کر لیا کہ اس کی لمبائی کتنی ہے اور چوڑائی کتنی ہے۔

یہ تین طریقے ہیں ایک طریقہ ترازو سے تولنے کا ایک طریقہ پیمانے سے ناپنے کا۔
تہ فیتے سے دیکھنے کا۔

مدینہ میں یہ بیماری تھی اور دنیا کے تمام دولت مند قوموں میں یہ بیماری چلی آئی ہے
یہ کمی دھوکہ دیتے ہیں۔

کے لوگوں میں یہ عیب تھا کہ جب مال خرید کر لے آتے تھے تو ترازو کو جھکا ہوا
جب فیتے سے لیتے تھے تو دیکھتے کہ کہیں اس نے زور سے کھینچا تو نہیں۔ فیتہ
ینچتے تھے۔

اور جب یہ بیچا کرتے تھے تو باٹ کے نیچے سوراخ کر دیتے تھے جس کی وجہ سے ...
میں سے چھٹانک کم ہو جاتا، پاؤ بھر میں سے دو یا تین تولے کم ہو جاتے۔ اسی طرح ...
میں نیچے سے سوراخ کرتے تھے۔

بس اسی سے انہوں نے چاول بھرا اور بھر کے دے دیا۔

تو بیچنے کا پیمانہ اور تھا لینے کا پیمانہ اور تھا۔ یہ بہت بڑی خیانت اور بہت بڑی بے ایمانی ہے۔
مدینے کے اس وقت میں یہ بیماری تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ...
کے سامنے اس حکم خداوندی کو پیش کیا۔

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم
او وزنوھم یخسرون

ویل عربی میں بربادی اور ہلاکت کو کہتے ہیں۔ یہ خدا کے قہر کے الفاظ ہیں جہاں اللہ تعالیٰ
بے انتہا ناراض ہوں وہاں لفظ ویل استعمال فرماتے ہیں۔ فرمایا گیا کہ تمہیں خدا کے قہر کا اور اس ...
غضب کا اندازہ نہیں ہے۔ تباہی اور بربادی ہے ان لوگوں کے لئے جو لیتے وقت اچھی ترازو ...
ٹھیک پیمائش سے ٹھیک لیتے ہیں اور دیتے وقت باٹ میں پیمائش میں اور ترازو میں
بے ایمانی کرتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ ان سے سخت ناراض ہے۔ ان کو خدا کے قہر کا انتظار کرنا چاہئے۔

آج ہم تاریخ لکھیں مثلاً یہ ماہ جمادی الاول کا ہے۔ سن چودہ سو سال کا ہے۔
کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ہجرت کی تاریخ ہے تقریباً آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن کی
آیتیں نازل ہوئیں کہ اے مدینے کے تاجرو اللہ تعالیٰ خیانت کو پسند نہیں کرتا ہے اور
دیانتداری کو اپناؤ۔

یہ معجزہ ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کہ یہ بیماری اس زمانے میں
گئی کہ چودہ سو سال کے عرصے میں لوٹ کر مدینہ نہیں آئی۔

ہم نے اور آپ نے اپنے شہر میں یا کسی اور علاقے میں یا کسی خطے میں
مدینہ کا خطہ تو اس بیماری سے پاک ہو گیا۔

آج بھی آپ کو وہاں خیانت کرنے والا نہیں ملے گا کم تولنے والا نہیں

چائش کرنے والا نہیں ملے گا بلکہ مدینے میں ایسے لوگ ملیں گے جو کہیں گے کہ آپ بیٹھ جائیے آئے ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ چیز نئے جائے۔ جب آپ آئیں گے تب ہی پہنچ دیجئے۔

ایک غیر مسلم نے ایک کتاب لکھی ہے اس میں اس نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جس وقت شراب کے حرام ہونے کا حکم آیا تو نہ فوج نے تلاشی لی نہ کسی پولیس والے نے تلاشی لی۔

مسلمانوں نے خود ہی اپنے برتنوں کو نکال نکال کے گلیوں اور سڑکوں میں ڈال دیا۔

وہ کہتا ہے کہ مجھے اس پر یقین نہیں آتا ہے کیونکہ آج ہم ایک سرکاری حکم نافذ کرتے ہیں تو قوم اس حکم پر عمل نہیں کرتی ہے۔ اس پر پولیس مقرر ہوتی ہے۔ اس پر فوج مقرر ہوتی ہے۔ ایسا کیا حکم تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ شراب حرام ہو گئی ہے تو سب ہی لوگوں نے شراب کے برتن توڑ دیئے۔

میرے دوستو! اس کو یقین اس لئے نہیں آتا ہے کہ وہ دنیا کی حکومتوں کے احکام کو پیش کر رہا ہے۔ دنیا کی حکومتوں کے احکامات اور ہیں اور اس پر عمل کرنے والے اور ہیں۔

اور رسول اللہ کے احکامات اور ہیں اور اس پر عمل کرنے والے اور ہیں۔

یہ کیسے؟ اس لئے کہ حکومتوں کے احکام جاری ہوتے ہیں تو انسانوں کے ذہن اس کے موافق نہیں ہوتے ہیں۔

انسانوں کے ذہن اور ہوتے ہیں آرڈر اور ہوتے ہیں۔

وہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام اسلام کے لئے ذہن کے لئے شریعت کی قدروں کے سئے دل و دماغ کو ڈھالا تھا۔ دل اور دماغ کو پہنچایا تھا۔

جب قرآن کریم کا حکم آیا تو فوراً مسلمانوں نے اس پر عمل کیا اور شراب کے مٹکے اور برتن توڑ کے گلیوں میں پھینک دیئے۔

بہرحال مدینہ میں یہ جو بیماری تھی وہ ایسے گئی کہ پھر وہ واپس نہیں آئی۔ اب رہا یہ بات کہ لیکن دین میں کوئی نفع کھینچ سکتا ہے کوئی چاہے میں سوراخ کر دے یا کوئی بات میں کمی کر دے اور زیادتی کر دے۔

تو آپ سوچئے تھوڑی دیر کے لئے کہ آپ اس طریقے سے کتنی مقدار بچائیں گے۔ سیر بھر میں آدھی چھٹانک بچائیں گے۔ یا دو تین تولے بچائیں گے۔ یہ تو بہت معمولی مقدار ہے۔ اتنی سی مقدار بغیر پوچھے کوئی لے لے۔

تو فقہاء نے اس عمل کو گناہ صغیرہ لکھا ہے یہ گناہ کبیرہ نہیں ہے۔

آپ کے گھر سے تھوڑی سی دال تھوڑا سا آٹا تھوڑی سی چینی چھپا کے لے لوں تو فقہاء فرماتے ہیں گناہ تو کیا ہے لیکن یہ گناہ گناہ صغیرہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ گناہ گناہ صغیرہ ہے تو اس پر حق تعالیٰ اس قدر اپنے قہر کا اظہار کیوں فرما رہے ہیں۔ اللہ کے غصے سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ عمل اور یہ جرم خدا کے قہر کو دعوت دے رہا ہے۔ اسی لئے تو اللہ نے یہاں ویل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ فقہاء سوال فرماتے ہیں کہ یہ تھوڑی سی مقدار ہے اس مقدار پر اللہ کے قہر و غضب کا اتنا اظہار کیوں؟

سبحان اللہ بڑی عجیب بات کہی گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ آپ کی نظر تو صرف اس پر ہے کہ آپ نے کتنی مقدار بچائی ہے۔

لیکن اللہ کی نظر اس پر نہیں ہے اللہ کی نظر تو اصلاً اس پر ہے کہ ترازو کو ہم نے انصاف کا آلہ بنایا تھا۔ باٹ کو ہم نے انصاف کا آلہ بنایا تھا۔ پیمانے کو ہم نے انصاف کا ذریعہ بنایا تھا۔ فیتے کو ہم نے انصاف کا ذریعہ بنایا تھا۔ آج اللہ تعالیٰ اس لئے ناراض ہیں کہ ہم نے جس کو انصاف کا آلہ بنایا تھا ہم نے جس کو انصاف کا معیار بنایا تھا انسانوں نے ہمارے اسی آلہ کو ہمارے اسی معیار کو بد دیانتی کے لئے استعمال کیا ہے۔

ہمیں تو اس کا غم ہے کہ انسان ہمارے منشاء کو بدل رہا ہے ہمارے آلہ انصاف میں داغ لگا رہا ہے۔ ہمارے نظام عادلانہ میں رد و بدل کر رہا ہے یہ نظام اللہ کا نظام عادلانہ ہے۔ اس نظام میں تم نے تبدیلی کی ہے۔ آلہ انصاف کو بد دیانتی کے لئے تم نے استعمال کیا ہے اسی وجہ سے اللہ کا قہر ہے تم نے اللہ کے منشاء کو بدل دیا ہے بالکل ایسے ہی جیسے مسجد خدا کا گھر ہے اس کا مقصد اتحاد و اتفاق کا پیدا کرنا ہے عبادت کے لئے جمع ہونا ہے۔ اگر کوئی مسجد کو فساد کا ذریعہ بنالے تو کہا جائے گا کہ تم نے اللہ کے منشاء کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ خدا نے

جس کو اتحاد و اتفاق محبت و مودت کے لئے پیدا کیا تھا تم نے اس کو دلوں کے پھاڑنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ اس نوعیت سے تم نے گویا اللہ کے ساتھ بغاوت کی ہے۔

غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے۔ تو اس موقع پر جو ایسی بددیانتی کیا کرتے تھے ان سے کہا گیا کہ تمہارے لینے کا پیمانہ اور ہے اور دینے کا پیمانہ اور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات اللہ کو ناپسند ہے تمہارے اس عمل سے اللہ تم سے ناراض ہے۔ یہ تو بظاہر اس آیت کی تفسیر ہے لیکن ایک بہت بڑے عالم علامہ ابوالقاسم ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ سمجھ رہے ہیں کہ اللہ نے اس میں صرف کاروبار کی تلقین کی ہے۔ یہ تو ایک معمولی بات ہے وہ فرماتے ہیں کہ دراصل اللہ نے اس آیت میں ایک اصول دیا ہے ایک معیار دیا ہے کیا ہے وہ وہ یہ ہے کہ جو دوسروں کی تعظیم نہ کرے اور خود یہ چاہے کہ لوگ اس کی تعظیم کریں جو خود کسی کو سلام نہ کرے وہ یہ چاہے کہ لوگ اس کو سلام کریں۔ جو خود دوسروں کے ساتھ انصاف نہ کرے اور خود یہ چاہے کہ لوگ اس کے ساتھ انصاف کریں اسی طرح تم نے کسی کو قرض دیا ہے اور اس قرضے کے وصول کرنے کے لئے اس کی ناک میں دم کر دیا اور تم نے کسی سے قرضہ لیا اور یہ چاہا کہ کوئی مجھ سے نہ مانگے آپ شوہر ہیں آپ چاہتے ہیں کہ بیوی میری اتنی خدمت کرے جتنی کہ شریعت نے کہا ہے۔ مگر سوال جب یہ آتا ہے کہ شوہر کو شریعت نے کیا حکم دیا ہے اور اسے کیا کرنا چاہئے۔ تو میاں صاحب یہ کہتے ہیں کہ اس کی پرواہ نہیں ہے۔ ایک آدمی مزدور سے کہتا ہے کہ تو اتنی محنت کر اتنی محنت کر کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال دے اور جب اجرت کا وقت آئے تو اسے کھوٹے پیسے دے دے یا اسے کم پیسے دے دے۔

علامہ ابوالقاسم فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت بتاتی ہے کہ اے انسانو اللہ نے تمہیں ایک اصول دیا ہے ایک معیار دیا ہے وہ یہ کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو اور انصاف چاہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے ہمیں زندگی کا ایک بڑا اہم اصول عطا کیا ہے کہ اے انسانو جو برتاؤ تمہارا لینے میں ہے وہی برتاؤ تمہارا دینے میں بھی ہو۔ اللہ نے نہایت ہی قیمتی قسم کا اصول دیا ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ بعض مقامات قرآن میں ایسے ہیں جہاں خدا کے قہر کا اظہار ہے جیسے اس سورۃ میں اللہ نے اپنے قہر کا اظہار فرمایا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ ہماری نظر اس پر نہیں ہے کہ تم نے تھوڑی سی دال بچالی اور ذرا سے
چاول بچا لئے۔ اس سے کیا ہوتا ہے غم تو اس بات کا ہے کہ جس کو ہم نے انسانوں میں
انصاف کا آلہ بنایا تھا اس کو تم نے بے ایمانی کا ذریعہ بنا لیا ہے تم نے اللہ کے منشاء پر پانی
پھیر دیا ہے۔ تم نے اللہ کے منشاء کے ساتھ بغاوت کی ہے۔ اسی لئے یہ اتنا بڑا جرم ہے۔

بہرحال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے۔ پہنچتے ہی آپؐ نے یہ سورۃ سنائی
چنانچہ جو بیماری مدینہ میں تھی وہ اس طریقے سے زائل ہوگئی کہ دوبارہ وہ مدینہ میں نہیں آئی۔

قرآن کریم کی یہ سورت تو بہت لمبی اور بہت طویل ہے۔ اس کا بالکل خلاصہ آپ
کے سامنے میں نے مختصر طریقے سے پیش کیا ہے۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو عمل کی
توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا
اجتنابہ اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد صلوٰۃ تنجینا بھا من
جمیع الاھوال والآفات۔ و تقضی لنا بھا جمیع الحاجات و
تطھرنا بھا من جمیع السیئات و ترفعنا بھا علی الدرجات و
تبلغنا بھا اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیوۃ و بعد
الممات انک علیٰ کل شئ قدیر برحمتک یا ارحم الراحمین۔

نماز اور زبان

خطاب نمبر۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد: مجھے یہاں آ کر اور آپ کے خاندان کے افراد سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔
خاص طور پر یہاں کی خواتین اور مستورات میں جو دینداری، خدا ترسی اور تہذیب
پائی جاتی ہے اس سے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ انشاء اللہ آپ لوگوں کی بدولت اس
علاقے میں اسلام اور مسلمانوں کو بڑا فروغ ہوگا۔

اس موقع پر نصیحت کے طور پر چند کلمات عرض کئے جا رہے ہیں اور وہ نصیحت جو خود ہم
نے اپنے بزرگوں سے اور اللہ والوں سے کی ہے۔

ان میں سب سے پہلی نصیحت یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق نماز تمام
برائیوں سے خرابیوں سے اور تمام بداخلاقیوں سے منع کرتی ہے۔

اس لئے نماز کا اہتمام اور اس کی پابندی کی جائے۔ اس نظام اور اہتمام سے امید ہے اللہ کی
ذات سے کہ خود بھی اور گھر کے بچے بھی ہر قسم کی خرابی سے اور بداخلاقی سے محفوظ ہو جائیں گے۔

قرآن میں ارشاد خداوندی ہے۔

ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآء والمنکر (پ ۲۰ ع ۰)

فرمایا کہ یقیناً نماز نمازی کو بے حیائی کی باتوں سے منع کرتی ہے۔ اس لئے نماز کی
پابندی کی جائے۔

ہمیں یاد ہے کہ اپنے زمانے میں ہمارے ہاں کی جو بوڑھیاں ہوتی تھیں وہ عام
طور پر ایسا کرتی تھیں کہ جب تک بچے نماز نہ پڑھ لیں اور تلاوت نہ کر لیں اس وقت تک وہ
ناشتہ نہیں دیتی تھیں گویا زندگی کا یہ ایک معمول تھا جب تک اس کو پورا نہ کیا جائے اس وقت
تک وہ ان کے ساتھ تعاون نہیں کرتی تھیں۔

میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ ان کے ساتھ کوئی تشدد کا طریقہ اختیار کیا جائے۔
آج تو بچوں کا ایسا مزاج ہے کہ وہ پیار و محبت سے زیادہ مانتے ہیں۔
بہرحال نماز کی پابندی تمام حفاظتوں کی جڑ اور تمام اچھائیوں کی بنیاد ہے۔
اس سلسلہ کی دوسری بات یہ ہے کہ انسانی معاملات اور برتاؤ میں مجھے ایک حدیث یاد آئی کہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہؐ ہمارے پڑوس میں ایک عورت رہتی ہے وہ نفل نمازیں بہت پڑھتی ہے۔
تلاوت کرتی ہے روزے رکھتی ہے مگر اس کی زبان خراب ہے جس سے بھی وہ بات کرتی ہے اس کا دل توڑ دیتی ہے۔
اس کے عزیز رشتے دار پڑوس سب کے سب اس سے ناراض ہیں۔
یا رسول اللہ ایک دوسری عورت ہے جو واجبی واجبی عبادت کرتی ہے لیکن اس کے اخلاق بڑے پاکیزہ ہیں اس کی زبان بہت اچھی ہے۔
اس سے اس کے سب عزیز خوش ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتایئے کہ آخرت میں ان دونوں عورتوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا۔
آپؐ نے فرمایا ان دونوں میں جو بد اخلاق عورت ہے وہ اپنی بد اخلاقی کی وجہ سے جہنم میں جائے گی اور وہ عورت جس کی زبان اور جس کا برتاؤ اچھا ہے وہ اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے جنت میں جائے گی۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برتاؤ میں نرمی اور اچھائی یہ بھی ایک مسلمان کی شان ہے؟
خاص طور پر اپنی خواتین اور بہنوں سے اس ایک گزارش کرنی چاہتا ہے کہ عام طور پر خاندان میں اختلافات اور جھگڑے اصل میں غیبت سے پیدا ہوتے ہیں۔ پیٹھ پیچھے کسی کے خلاف بات کرنا بھی غیبت ہے۔ چاہے وہ بات سچ ہی کیوں نہ ہو۔
ایسی بات کی جائے کہ جس سے سننے والوں کو ناگوار ہو اور ایسی باتیں آخرکار ایک دوسرے کے پاس پہنچ ہی جاتی ہیں جس سے رنجشیں اور تلخیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔
میں نے دیکھا ہے کہ اس سے بڑے بڑے خاندانی تعلقات خراب ہو گئے۔

اس لئے غیبت سے بچا جائے بلکہ کسی ایسی مجلس میں کسی کی برائی ہو رہی ہے تو بہتر ہے کہ آدمی اگر اسے روک نہ سکے تو کم سے کم وہ وہاں سے اٹھ کے چلا جائے بہرحال مختصر طور پر بات عرض کرنی تھی؟

ایک نصیحت تو اللہ کی عبادت کے متعلق ہے اور ایک بندوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کے متعلق ہے۔

یہ دونوں باتیں بنیادی باتیں ہیں۔

اگر ان مختصر نصیحتوں پر بھی عمل ہو تو آپ کے عمل سے آپ کی بھی اصلاح ہوگی اور ہم کو بھی ثواب ملے گا اب ہم سب مل کر دعا کریں کہ اللہ ہمیں دین اور شریعت کی حفاظت اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں میں حضورؐ کی شریعت کی محبت پیدا فرمائے۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ

ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین

اے اللہ ہم میں ہمت نہیں حوصلہ اور طاقت نہیں۔

لیکن اے اللہ تو ہماری دستگیری کرے تو ہماری مدد کرے تو پھر ہم تیرے دین پر عمل کر سکتے ہیں۔

پاکیزہ اخلاق بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

اے اللہ اپنے حبیب پاکؐ کے صدقے ہمیں شریعت اسلامیہ پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ ہماری تمام عبادتوں اور تمام طاعتوں کو قبول فرما ہماری لغزشوں کو معاف فرما۔

اے اللہ ہر قسم کی تکلیف سے پریشانی سے آفتوں سے ہماری حفاظت فرما۔

وہ مرحومین جو اس خاندان میں اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں ان کے لئے دعا کیجئے کہ اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے۔

جوارِ رحمت میں انہیں جگہ عطا فرمائے۔

آپ کی دادی صاحبہ اور والدہ صاحبہ کے لئے بھی دعا کیجئے کہ اللہ ان کو صحت و شفا اور تندرستی عطا فرمائے۔

اور اللہ ہم میں ہمت اور توانائی عمل کی عطا فرمائے۔

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علیٰ المرسلین

والحمد للہ رب العالمین برحمتک یاارحم الراحمین۔

موت کیا ہے؟

خطاب نمبر ۹

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ' و نستعینہ' و نستغفرہ' و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ' و من یضللہ فلا ھادی لہ' و نشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ وحدہ' لاشریک لہ' و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولٰنا محمداً عبدہ' و رسولہ' صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و الہ و اصحٰبہ اجمعین

اما بعد: فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم.

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یآیھا الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللّٰہ مع الصبرین ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیآء ولکن لا تشعرون ولنبلونکم بشی من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرت وبشر الصٰبرین الذین اذآ اصابتھم مصیبۃ قالوآ انا للّٰہ و انا الیہ رٰجعون (پارہ نمبر ۲ سورۃ البقرۃ ع ۳)

صدق اللہ مولٰنا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین.

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز اور میری اسلامی بہنیں

آپ کے اس قصبے میں دو تین بار خطاب کی سعادت مجھے حاصل ہوئی ہے الحمد للہ اس سے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ سب حضرات نے بڑی دلچسپی ذوق و شوق اور گرم جوشی کے ساتھ میری باتوں کو سنا۔

ابھی ابھی آپ کے سامنے جناب آنجہانی حاجی عبدالشکور صاحب مرحوم کا تذکرہ ہوا ہے جو ابھی حال میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

پچھلی مرتبہ جب میں حاضر ہوا تھا تو بڑی گرم جوشی اور محبت کا اظہار ان کی طرف سے کیا گیا تھا اور وہ بیچارے مرد اس تک مجھے چھوڑنے تشریف لائے تھے اور اب بھی میرے دل میں یہی تمنا تھی کہ جاؤں گا تو انشاء اللہ ان سے بھی ملاقات ہوگی۔

مجھے ان کے انتقال کی خبر وہاں نہیں پہنچی تھی یہیں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ان کا وصال ہو چکا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کے مکان کے قریب جو مسجد ہے کہ جس کی تعمیر ان کی طرف سے ہوئی ہے آج وہاں وعظ کا اہتمام کیا گیا ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے گھر کی خواتین بھی کہیں قریب ہی بیٹھی ہوئی وعظ سن رہی ہیں۔

تو مناسب معلوم ہوا کہ تعزیت کے طور پر یہ مضمون آپ کی خدمت میں پیش کروں۔

تعزیت کے معنی ہیں دلاسا دینا، تسلی دینا اور یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اتنی بات ضرور ہے کہ اسلام میں تعزیت کے لئے تین دن مقرر ہیں ایسا کیوں؟

اس لئے کہ اسلام یہ نہیں چاہتا ہے کہ آپ غم و الم کو پالتے بیٹھے رہیں اللہ نے آپ کو فعال قوم بنایا ہے۔ آپ کا منصب ہے کام کرنا۔ غم پالے رکھنا اسلام میں مقصود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعزیت کے لئے شریعت نے صرف تین دن کی اجازت دی ہے اس کے بعد نہیں کیونکہ جس عزیز بے چارے کا دل زخمی ہے آپ مہینوں اور برسوں اس کی تعزیت میں لگے رہیں تو اس بیچارے کا حال تو برا ہوگا۔

ہاں اگر باہر سے کوئی مسافر آئے تو اس کے لئے اس کی اجازت ہے اور تعزیت صرف منع ہی نہیں بلکہ یہ ہم سب کے لئے خوشی آئی ہے۔

آج غم مجھ پر پڑا تو کل کسی اور پر آج میں آپ کی تعزیت ادا کر رہا ہوں تو کل ضرورت ہوگی کہ آپ میری تعزیت ادا کریں۔ اور میرے غم میں آپ شریک ہوں۔

قدرت کا نظام بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ جو لوگ کسی مسلمان کے جنازے میں شرکت کے لئے کوشش کرتے ہیں کہ جنازہ ملے تو میں اس میں شریک ہو جاؤں ایسا آدمی جب دنیا سے اٹھتا ہے تو معلوم نہیں کہاں کہاں سے لوگ اس کے لئے آ جاتے ہیں کیونکہ یہ سب کو کندھا دینے کا شوق رکھتا تھا آج خدا نے اس کے جنازے کو کندھا دینے کے لئے بہت سے آدمی پیدا کر دیئے۔

بہر حال تعزیت اور تسلی کے لئے قرآن کریم کی میں نے یہ آیت پیش کی ہے۔ یہ آیت آیت صبر ہے۔ یہ آیت ہماری پوری زندگی پر حاوی ہے۔

اس لئے کہ انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں تیسری کوئی اور حالت نہیں ہے یا تو حالت صبر کی ہوگی یا تو حالت شکر کی ہوگی

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری آدھی زندگی صبر کی ہے اور آدھی زندگی شکر کی ہے مگر ایسا نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے لئے اللہ نے جب مٹی کا پتلا بنایا تو انتالیس دن تک اس پر غموں کی بارش ہوئی ہے اور ایک دن خوشی کی بارش رہی ہے۔

کیا عجب ہے کہ ہماری اور آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ آہ کرتے گزرتا ہے اور خوشی کے لمحات بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ بہر حال انسان یا تو حالت صبر میں ہوگا یا حالت شکر میں ہوگا۔

حضرت مولانا محمد الیاس جن کی تبلیغی جماعتوں کو آپ حضرات دیکھتے ہوں گے اور اس میں شرکت بھی کرتے ہوں گے تقسیم سے پہلے جمعرات کو میں بھی حضرت کی مجلس میں حاضر ہوا میں نے دریافت کیا کہ حضرت کیسے مزاج ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ مزاج کے کیا پوچھتے ہیں کبھی ناخوشگواری کی حالت رہتی ہے کبھی خوشی کی حالت رہتی ہے مومن کی شان ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کو یاد کرتا ہے۔ خوشگواری کی حالت میں شکر کرتا ہے اور ناخوشگواری کی حالت میں صبر کرتا ہے۔ شکر بھی اللہ کو یاد کرنے کی صورت میں ہے اور صبر بھی اللہ کو یاد کرنے کی صورت ہے۔ انسان کو جب تکلیف پہنچتی ہے تو اس پر انسان غم کرتا ہے اور جب اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے تو خوشی مناتا ہے۔ لیکن کسی کو نہیں معلوم کہ غم کسے کہتے ہیں اور خوشی کسے کہتے ہیں۔

میرے دوستو! یہ خوشی اور یہ غم خود ساختہ ہے جیسے ایک حکیم نسخے میں لکھا کرتا تھا شربت خانہ ساز۔

اب بے چارہ مریض نسخہ لئے تمام عطاروں کی دکانوں پر پھر رہا ہے کہ بھائی یہ کونسی

شربت ہے جو کہیں نہیں مل رہا ہے۔ کہا جائے گا کہ بھائی اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ وہ شربت ہے جسے حکیم نے خود اپنے گھر بنائی ہے یہ کہیں کسی دکان پر نہیں ملے گی۔

میرے دوستو! اسی طرح یہ غم، یہ خوشی خانہ ساز ہے ہم نے اور آپ نے ایک چیز کا نام غم رکھا ہے اور ایک چیز کا نام خوشی رکھا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم اور آپ اپنے حالات سے نظر ہٹا کر دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ بس اللہ کا ایک انتظامی معاملہ ہے۔ اللہ کے کسی انتظامی معاملے کو ہم کبھی غم سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی خوشی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اللہ کے ہاں غمی اور خوشی کا کوئی سوال ہی نہیں۔

میرے دوستو! آپ کے سینے میں بھی اور میرے سینے میں بھی اللہ نے گوشت کے ایک ٹکڑے کو رکھا ہے جسے ہم دل اور قلب کہتے ہیں لیکن اس گوشت کے ٹکڑے کو قرآن قلب اور دل نہیں کہتا ہے ڈاکٹری دل قرآنی دل نہیں ہے۔ قرآن نے منافقوں کا ذکر کیا ہے فرمایا گیا فی قلوبھم مرض (پ ۱ ع ۲)

منافقوں کے دلوں میں بیماری ہے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سارے منافقوں کو ہارٹ اٹیک ہوتا تھا کیا انہیں اختلاج قلب تھا؟ نہیں تو پھر کیا ہے ظاہر ہے کہ قلب سے مراد گوشت کا وہ ٹکڑا نہیں ہے جسے ڈاکٹر ہارٹ اٹیک کہتے ہیں جیسا کہ امریکی ڈاکٹر نے کہہ دیا اور قرآن کی آیت پر اعتراض بھی کر دیا کہ میں نے آپریشن کیا تھا آپریشن کے بعد دیکھا کہ ایک دل کے قریب دوسرا دل ہے دوسرے دل کے قریب تیسرا دل ہے ان کو نکال کے وہ کہتا ہے دیکھئے مسلمان کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے قرآن کہتا ہے کہ ایک انسان کو ایک ہی دل ہوتا دیکھئے میں نے بتلا دیا ہے کہ تین دل بھی انسان کو ہوتے ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا۔

ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ (پ ۲۱ ع ۱۷)

کسی بھی انسان کے لئے اللہ نے دو دل نہیں بنائے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے سینے میں ایک ہی دل پیدا کیا ہے ڈاکٹر کہتا ہے کہ انسان کو ایک ہی نہیں دو تین قلب بھی ہوتے ہیں۔

میرے دوستو! اس ڈاکٹر سے کہہ جائے گا کہ قرآن اس کو دل نہیں کہتا ہے جس کو تو نے سینے سے نکالا ہے انسان کے احساسات اور جذبات کی مرکزی قوت کو قرآن دل کہتا ہے۔

معلوم نہیں کہ وہ مرکزی قوت کہاں ہے سینے میں ہے یا انسان کے دماغ میں ہے۔
محاورہ میں سمجھنا چاہئے۔ اردو کا ایک مصرعہ ہے۔

پہلو میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

کسی شاعر نے یہ کہہ دیا ہے تو کیا آپ ڈاکٹر کو بلا کر آپریشن کر کے دیکھیں گے؟
نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیک وقت دو متضاد کیفیتیں پیدا نہ ہوں گی۔
یا تو محبت کی کیفیت پیدا ہو گی یا نفرت کی کیفیت پیدا ہو گی فرمایا گیا ما جعل الله لرجل من قلبین فی جوفه کہ کسی کے پہلو میں اللہ نے دو دل نہیں بنائے ہیں واضح رہے کہ احساسات اور جذبات کی مرکزی قوت کو ہی قرآن دل کہتا ہے اسی مرکزی قوت کو کبھی قلب سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی روح سے تعبیر کرتے ہیں۔
بہرحال اللہ نے ہمارے سینے میں ایک طاقت ایک قوت رکھی ہے جسے ہم دل کہتے ہیں۔
دل یہ ایک باغ ہے یہ ایک کھیت ہے جس میں تمناؤں کے پودے اگتے ہیں جس میں ہزارہا خواہشات کے درخت لگتے ہیں کبھی اولاد کی محبت کے پودے اگتے ہیں کبھی دولت کی محبت کے پودے اگتے ہیں آپ اسے کاٹتے چلے جائیے اور وہ اگتے چلے جائیں گے اور آپ کو دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں ملے گا جو یہ کہہ دے کہ میرے دل میں کوئی آرزو نہیں ہے اور جو یہ کہہ دے سمجھ لیجئے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔
خواجہ عزیز الحسن کا شعر ہے

دل ہے محبت ہے محبت ہی کرے گا لاکھ اس کو بچاؤ یہ کسی پر تو مرے گا

اس کا کام ہی محبت کرنا ہے اس کا کام ہی کسی پر مرنا ہے یاد رکھئے کہ جائز مقام پر آپ نے دل لگایا تو آپ کی حفاظت ہو جائے گی اور اگر جائز مقام پر نہیں لگایا تو یہ دل ناجائز مقام پر لگ جائے گا دل کا کام ہی لگنا ہے۔
دل کی یہ خاصیت ہے کہ اس میں آرزو اور خواہش پیدا ہو مثلاً آپ کے دل میں یہ آرزو ہے کہ تجارت میں ایک لاکھ روپے لگاؤں تو پانچ لاکھ روپے ملے چاہئیں آپ نے تجارت میں ایک لاکھ روپے لگائے پانچ لاکھ کا ملنا تو رہا ایک طرف لاکھ میں سے پچاس ہزار

کا نقصان ہو گیا۔ تو آپ سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں غم زدہ ہوں غم کی کیا بات ہے معلوم ہوا کہ جو منصوبہ آپ نے بنایا تھا اور جو آرزو آپ کے دل میں تھی اس کے خلاف واقع ہو گیا ہے اس کا نام آپ نے غم رکھا ہے۔

آپ کے منشاء کے موافق ہو جائے تو اس کا نام آپ نے خوشی رکھا ہے اور اس موقع پر آپ مٹھائی بھی تقسیم کرتے ہیں۔

اسی طرح ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا کوئی عزیز اس سے جدا نہ ہو ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ اولاد جدا نہ ہو۔ اولاد کی خواہش ہوتی ہے کہ ماں باپ جدا نہ ہوں۔ بھائی کی خواہش ہوتی ہے کہ بہن جدا نہ ہو۔ بہن کی خواہش ہوتی ہے کہ بھائی جدا نہ ہو۔ بیوی کی خواہش ہوتی ہے کہ شوہر جدا نہ ہو۔ شوہر کی خواہش ہوتی ہے کہ بیوی جدا نہ ہو۔ دوست کی خواہش ہوتی ہے کہ دوست جدا نہ ہو لیکن ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہی دیکھتے رہ جاتے ہیں کہ بہت سے دوست دوستوں سے جدا ہو جاتے ہیں۔

باپ بیٹے سے جدا ہو گیا بیٹا باپ سے جدا ہو گیا۔ شوہر بیوی سے جدا ہو گیا بیوی شوہر سے جدا ہو گئی۔

ایسے موقع پر ہم روتے ہوئے بیٹھ جاتے ہیں اس لئے کہ ہماری خواہش کے خلاف واقع ہوا ہے اس کا نام ہم نے غم رکھا ہے ایسا ہوتا ہی رہتا ہے اور یہ تو سب ہی کو پیش آتا ہے۔ ایسا پیش نہ آنا ممکن نہیں ہے غالب کا شعر ہے۔

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

ہم زندہ ہیں تو غم پیچھا نہ چھوڑے گا اور جب تک ہم زندہ رہیں گے اس وقت تک تمنا پیدا ہوتی ہی رہے گی۔

تمنا کے خلاف واقع ہو تو آپ کو غم ہو گا تمنا کے موافق ہو تو آپ کو خوشی ہوئی اور اس کا نام آپ نے خوشی رکھا ہے۔

لیکن اسلام کہتا ہے کہ اللہ کی جانب سے جو پیش آئے وہ رحمت ہی رحمت ہے یہاں

ہم نے اپنی حالت کے اعتبار سے کسی کا نام خوشی رکھا ہے تو کسی کا نام غم رکھا ہے۔

حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اپنی مجلس میں یہ مضمون بیان فرما رہے تھے کہ جو چیز بھی خدا کی جانب سے آتی ہے وہ رحمت ہی رحمت ہے چاہے بیماری ہو چاہے موت ہو چاہے نقصان ہو یہ سب رحمت میں شامل ہیں۔

اتنے میں ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت یہ بیمار ہے بخار میں مبتلا ہے اسے بڑی تکلیف ہے اس کے لئے دعا فرمائیں۔ لوگوں نے کہا کہ ابھی حضرت فرما رہے تھے کہ جو کچھ خدا کی جانب سے آئے وہ رحمت ہے اب دیکھیں آیا بخار دور کرنے کی دعا مانگتے ہیں یا نہیں بخار دور کرنے کی دعا مانگیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ بخار رحمت نہ تھی اب لوگ انتظار میں ہیں حضرت حاجی صاحبؒ نے ہاتھ اٹھایا اور کہا اے اللہ یہ بخار تیری طرف سے رحمت ہے لیکن ہر رحمت کو برداشت کرنے کی طاقت ہر ایک بندے میں نہیں ہوتی ہے۔ اے اللہ اس رحمت کو دوسری رحمت سے بدل دے یعنی بیماری کو صحت سے بدل دے۔

حقیقت یہ ہے کہ بیماری بھی نعمت ہے صحت بھی نعمت ہے بعض میں بعض رحمتوں کے برداشت کرنے کی قوت ہوتی ہے اور بعض میں نہیں ہوتی ہے جس کی وجہ سے کبھی بعض ہلاک بھی ہو جاتے ہیں۔ واقعہ یاد آیا میں اس وقت ہندوستان میں تھا دہلی گیا ہوا تھا حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار پر حضرت خواجہ باقی باللہ بڑے اللہ والے تھے ایک مرتبہ ان کے ہاں رات میں کوئی مہمان آ گیا ویسے اچانک کسی کے گھر مہمان بننا ممنوع ہے۔

خاص کر رات میں کسی کے گھر مہمان نہ بنئے۔

آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میرے لئے خاطر تواضع کی ضرورت نہیں ہے لیکن میزبان کا دل چاہتا ہے کہ آپ کی خاطر تواضع کرے اور آپ رات کے بارہ ایک بجے پہنچ گئے تو میزبان کیا کرے گا کہاں سے چیزیں لائے گا ایسی صورت میں میزبان شرمندہ ہوگا گویا آپ اسے شرمندہ کر رہے ہیں اس لئے اچانک کسی کے گھر مہمان نہ بنا جائے چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے ہاں اچانک ایک مہمان آ گئے خواجہ صاحب ان کا بہت احترام اور لحاظ کرتے تھے اب خواجہ صاحب بڑے پریشان ہوئے اس لئے کہ اس وقت گھر میں کچھ نہ تھا کہ جس سے

مہمان کی مہمان نوازی کی جائے خواجہ صاحب نے خادم کو بلایا اور خادم سے کہا کہ کچھ انتظام ہو سکتا ہے تو کرو خادم نے کہا یہاں نان بائی رہتا ہے اور آپ کے مکان کے قریب ہی ہے کھانا پکانے کا کاروبار ہے اس کا۔ اور وہ آپ کی بہت عزت کرتا ہے آپ اسے بلائیں۔

خواجہ صاحب نے اسے بلایا وہ آتا ہے خواجہ صاحب کہتے ہیں بھائی ہمارے ہاں مہمان آئے ہیں ان کے لئے کچھ انتظام کر سکتے ہو تو کرو آپ کا احسان ہوگا اور وہ کہتا ہے ابھی آتا ہوں وہ چلا اور تھوڑی ہی دیر میں دسترخوان پر کھانا لگا دیا۔ خواجہ باقی باللہ خوش ہو گئے اور کہا بھائی تو نے میرا دل خوش کیا ہے مانگ تو کیا مانگتا ہے میں تجھے آج دے دوں گا۔

دیکھئے آدمی کتنا ہوشیار تھا آج کسی افسر سے دوستی ہو جائے اور وہ یوں کہے کہ کچھ مانگو کیا مانگتے ہو تو آپ یہی کہتے ہیں کہ پرمٹ دلوا دو۔ باقی باللہ اس نان بائی سے پوچھتے ہیں ارے مانگ تو کیا مانگتا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ نے جب یہ کہہ دیا کہ مانگ تو کیا مانگتا ہے تو میں یہ مانگتا ہوں کہ آپ مجھے اپنا جیسا بنا دیجئے۔ خواجہ صاحب نے کہا دیکھو بھائی کچھ سوچ سمجھ کے مانگو وہ کہتا ہے کہ حضرت جی آج یہ دن آ گئے ہیں اور آپ نے خوشی پوچھا ہے خدا کی قسم میں کچھ نہیں مانگتا ہوں بس آپ اپنے جیسا مجھے بنا دیجئے۔ خواجہ صاحب نے کہا تیری خوشی ہے میں تو بنا دوں گا لیکن تو اسے برداشت نہیں کر سکے گا وہ کہتا ہے نہیں میں برداشت کر لوں گا۔ خواجہ صاحب نے اللہ سے دعا کی وہ خواجہ صاحب جیسا تو ہو گیا لیکن خواجہ صاحب کی جو کیفیات تھیں وہ ان کو برداشت نہیں کر سکا تقریباً چوبیس گھنٹے تک وہ زندہ رہا اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ بہرحال اللہ کی طرف سے ہر چیز نعمت ہے بعض نعمتوں پر انسان کہتا ہے کہ اے اللہ میرے لئے یہ قابل برداشت نہیں ہیں آپ اس نعمت کو کسی دوسری نعمت سے بدل دیجئے۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ میں امن و امان کی زندگی گزاروں۔

قرآن کریم نے کہا کہ کبھی تمہاری زندگی میں ایسا واقعہ پیش آتا ہے جس کا نام ہم غم رکھتے ہیں ہمارے ہاں اس نام کا کوئی لفظ نہیں ہے لیکن بہرحال ہم اپنے حالات سے جس کو غم کہتے ہیں وہ مختلف منزلوں سے آتا ہے فرمایا گیا۔

ولنبلونكم بشيء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات.

مثلاً کبھی جانوروں کے نقصان کا خوف مسلط ہوتا ہے کبھی حاکموں کا خوف مسلط ہوتا ہے جب خوف کی کیفیت پیش آتی ہے تو انسان کہتا ہے کہ میرا دل بڑا پریشان ہے میرا اطمینان ختم ہو گیا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ انسان کو خوف سے آزماتے ہیں اور کبھی بھوک مسلط کر کے آزماتے ہیں! فکر پیٹ ہونے کے باوجود بھی کبھی اللہ بھوک کا مزہ چکھاتے ہیں۔

انسان سوچتا ہے کہ جس گھر کے رہنے والے محلے والوں کو کھانا کھلاتے ہوں وہ کیسے بھوکے رہ سکتے ہیں۔

میرے دوستو! معاف کیجئے آج ہم بھوک کے لئے نہیں کھاتے ہیں کھانے کا وقت ہوتا ہے تو کھاتے ہیں۔

اہل دولت کو بھوک لگتی ہی نہیں۔ تاہم ہوتا ہے تو کھانا کھا لیتے ہیں اور یہ جانتے ہی نہیں کہ بھوک کیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھئے انسان کو بھی بھوک کا مزہ چکھا دیتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ میاں بیوی میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا۔ میاں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے بیوی نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے دونوں بھوکے ہیں اور گھر میں دولت و ثروت موجود ہے دونوں کو پتہ چل رہا ہے کہ بھوک کیا ہے۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی انسان کبھی بھوکا رہتا ہے۔

حضرت سعدیؒ نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص سفر پر تھا اس کے ہاتھ میں ناشتہ دان ہے اور اس کی کمر میں سونے کی اشرفیاں بندھی ہوئی ہیں۔ اتفاق سے وہ راستہ بھول جاتا ہے چلتے چلتے تھک جاتا ہے اور راستہ ہی میں ناشتہ دان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ چار دن بیابان میں رہ جاتا ہے لیکن بستی کا راستہ اسے نہیں مل رہا ہے اب اس نے یہ کیا کہ وہ اپنی تھیلی کو کھولا زمین پر ڈالا اور خود مرنے کے لئے لیٹ گیا اور انگلی سے زمین پر لکھ دیا تاکہ کوئی آنے والا اس کو پڑھے

شلغم پختہ بہ از نقرۂ خام

وہ کہتا ہے یا اللہ یہ سونے کی اشرفیاں میری جان نہیں بچا سکیں اس وقت شلغم کے پتے مل جاتے یا کھانس مل جاتا تو شاید وہ میری زندگی بچا لیتے۔

ان سونے کی اشرفیوں سے تو وہ بہتر ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو بھوک مسلط کر دیتے ہیں اور اس سے بھی آزماتے

ہیں فرمایا گیا۔

ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس و الثمرات.

اسی طرح کبھی تجارتوں میں نقصان ہوتا ہے اس سے بھی اللہ تعالیٰ آزماتے ہیں ثمرات پہ جمع ہے ثمر پھل کو کہتے ہیں علماء نے ثمر کی دو طرح سے تشریح کی ہے آگے فرمایا کہ کبھی باغ کی پیداوار میں نقصان ہوتا ہے کبھی تمہاری ہی آنکھوں کے سامنے تمہاری اولاد تم سے جدا ہو جاتی ہے۔ یہ ثمرات میں ہی داخل ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کبھی گھر کے افراد کی کمی اور موت سے آزماتے ہیں۔ انسان اپنے گھر میں دیکھتا ہے کہ گھر کے افراد کی کمی ہو رہی ہے ایک بھائی کم ہو رہا ہے تو کبھی بہن کم ہو رہی ہے۔ کبھی اولاد کا انتقال ہو رہا ہے تو کبھی کسی کا وصال ہو رہا ہے اس طرح کبھی کبھی اللہ تعالیٰ جانوں کو کم فرما کر آزماتے ہیں۔

اس کا نام ہم نے غم رکھا ہے یہ ہر انسان کو پیش آتا ہے۔ بڑا سا بادشاہ کیوں نہ ہو ہفت اقلیم کی سلطنت والا کیوں نہ ہو اسے اس منزل سے ضرور ہی گزرنا ہوگا۔

یہ ممکن نہیں کہ انسان زندہ ہو اور وہ غم کی منزلوں سے نہ گزرے۔ ان تمام حالات اور مشکلات میں انسان پر غم طاری رہتا ہے۔

اس کا علاج بھی فرمایا گیا؟ اس کا کیا علاج ہے فرمایا۔

و بشر الصبرین الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا لله و انا الیه رٰجعون.

آپ ان کو خوشخبری سنا دیجئے۔ جو صبر کرنے والے ہیں کہ جب ان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ زبان سے کہتے ہیں۔ انا لله و انا الیه رٰجعون. اس سے غم دور ہوگا آپ کہتے ہیں کہ ہم لاکھ مرتبہ یہ پڑھتے ہیں ہمارا غم تو دور نہیں ہوتا ہے۔

میرے دوستو! آیت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ الفاظ ہی ادا کئے جائیں مقصد یہ ہے کہ انا لله و انا الیه رٰجعون میں دو جملے ہیں ان دونوں جملوں میں غور کرنے سے غم کا فور ہو گا اور اگر آپ اس پر غور نہ کریں تو آپ کا غم دور نہیں ہو سکتا۔

ایک مرتبہ چادر کے پلو سے چراغ گل ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً کہا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا رسول اللہ چراغ کا گل ہونا کیا مصیبت ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ مصیبت پہنچے تو انا للہ کہو آپ نے فرمایا کہ چراغ کا گل ہونا بھی مصیبت ہے۔ آپ نے مصیبت کی تشریح اس طرح فرمائی کہ ہر وہ چیز جس سے تم کو تکلیف پہنچے وہ بھی مصیبت ہے ان دو جملوں کے کہنے پڑھنے اور غور کرنے سے غم کتنا ہی کیوں نہ ہو وہ دور ہو گا۔ اللہ نے ان دو جملوں میں جادو سے زیادہ تاثیر رکھی ہے۔

انا للہ کے معنی ہیں ہم سب خدا کی ملکیت میں ہیں ہم خدا کے غلام ہیں۔ خدا ہمارا مالک ہے اس لئے کہ دنیا میں جو کام ہے وہ ملکیت کا ہے اس سے غم ایسے دور ہو گا کہ اللہ ہمارا آقا ہے ہم اس کے خادم ہیں آقا کو حق ہے کہ وہ تجویز کرے جیسے اور آپ کو تجویز کا حق نہیں ہے ہماری حیثیت بس خادم کی سی ہے؟ آپ کے پاس خادمہ برتن دھو دھو لا کر الماری میں رکھے کچھ برتن اوپر کی الماری میں رکھے کچھ نیچے کی الماری میں رکھے گھر کی مالکہ آئے اور اوپر کے برتن نیچے نیچے کے برتن اوپر رکھ دے تو اس پر نوکرانی کو کوئی صدمہ نہیں ہو گا۔ اور یہ حق بھی نہیں ہو گا کہ وہ یہ پوچھے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟

اس لئے کہ یہ حق مالک کا ہے نوکرانی کا تو نہیں۔ نوکر کا کام یہ ہے کہ جو آقا کہے اس کی تعمیل کرے یہ آقا کا حق ہے کہ وہ تجویز کرے بات یاد آگئی کہ ایک صاحب نے غلام خریدا اس غلام سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا نام ہے کھاتے کیا ہو لباس کیا پہنتے ہو؟ شوق تمہارے کیا کیا ہیں تا کہ ویسے ہی تمہارے ساتھ برتاؤ کیا جائے وہ کیا جواب دیتا ہے سنئے کہا حضور آپ نے دریافت کیا ہے کہ تمہارا نام کیا ہے کھاتے کیا ہو پہنتے کیا ہو۔ حضور میں آپ کے گھر میں غلام بن کر آیا ہوں آقا بن کر نہیں آیا ہوں میری کوئی تجویز نہیں ہے کہ میرا نام کیا ہو میرا لباس کیا ہو میرا کھانا کیا ہو جس لفظ سے آپ پکاریں گے وہ میرا نام ہو گا جو آپ کھانے کو دیں گے وہ میری خوراک ہو گی آپ جو پہنا دیں گے وہ میرا لباس ہو گا۔ میری

کوئی تجویز نہیں ہے تجویز کا حق تو بس آپ کا ہے میرا نہیں۔

میرے دوستو ایسی حال ہمارا اور آپ کا ہے۔ ہم غلام ہیں اللہ ہمارے آقا ہیں تجویز کا حق بس اللہ کو ہے چاہے وہ کسی کو عالم بالا میں بلالے یا کسی کو وہ عالم بالا سے نیچے بھیج دے ہمارا اور آپ کا کام یہ نہیں کہ ہم یہ کہیں کہ اے اللہ نے تو ہمیں نیچے سے اوپر کیوں بلایا اور اوپر سے نیچے کیوں بھیج دیا اس لئے کہ ہم سب اللہ کی ملکیت میں ہیں۔

ہمیں اور آپ کو تجویز کا کوئی حق نہیں تجویز کے خلاف ہو تو غم ہوتا ہے یہاں تو کوئی تجویز ہی نہیں ہے اس سے ایک حد تک غم ہلکا ہوتا ہے اس لئے کہ ہم کسی کے مالک نہیں ہیں۔ اللہ ہی سب کچھ ہیں کہا گیا ہے۔

دستار نداریم غم پیچ نہ داریم   ما پیچ نہ داریم غم پیچ نہ داریم

ہمیشہ یاد رکھیے انسان کو تکلیف اس سے ہوتی ہے کہ وہ اپنی پوزیشن برابر نہ سمجھے ہم نے خود ہی کو مالک اور آقا سمجھ لیا تو بس سمجھ لینا کہ یہی ہماری غلطی ہے اور اگر ہم نے یہ سمجھا کہ سب کے سب اللہ کی ملکیت میں ہیں تو سمجھ لیجئے کہ اب پوزیشن ہماری صحیح ہے جو خدا کی طرف سے ہوگا وہ اس کا مالکانہ حق ہے اور جو ہماری طرف سے ہوگا وہ خادمانہ حیثیت سے ہوگا کہ ہم اللہ کی تجویز پر عمل کریں۔ اس طرح انسان کا آدھا غم دور ہوگا مگر پچاس فی صد غم باقی ہے وہ غم ہے جدائی کا اس لئے کہ جو پچاس سال ساتھ رہے ہوں جو پچاس سال ساتھ پڑھتے ہوں جو پچاس سال ساتھ کھیلے ہوں اب وہ جدا ہو رہے ہوں تو اس پر قدرتی طور پر غم ہوگا۔

علماء نے لکھا ہے کہ ہر جدائی کا انسان کو غم نہیں ہوتا ہے آپ کا بیٹا آپ سے جدا ہو کر واشنگٹن چلا گیا آپ سچ بتائیے کہ کیا آپ محلہ والوں کو جمع کر کے بیٹھ کر روئیں گے نہیں اس لئے نہیں روئیں گے کہ وہ واشنگٹن گیا ہے اس کے آنے کی امید ہے لیکن موت کے بعد انسان کو غم اس لئے ہوتا ہے کہ اب واپس آنے کی امید نہیں ہے معلوم ہوا کہ یہاں جدائی پر غم نہیں ہے بلکہ غم اس بات کا ہوتا ہے کہ اس جدائی کے بعد اب ملاقات کی توقع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس غم کو دور کر کے فرماتے ہیں۔ و انا الیہ راجعون.

غلط ہے تمہارا خیال کہ ملاقات نہیں ہوگی ملاقات ہوگی۔ ملاقات کا طریقہ ایک تو یہ تھا

کہ جانے والا واپس آ نے والا تو نہیں ہوگا طریقہ ملاقات کا یہ ہے کہ ہم بھی وہیں جائیں گے
کہ جہاں وہ چلے گئے اس لئے فرمایا کہ و انا الیہ راجعون۔

قبرستان میں جاتے ہیں تو آپ کہتے ہیں۔

السلام علیکم یا اھل القبور انا راجع عن قریب الیکم انشاء اللہ تعالی

ہم بھی آپ کے ساتھ آ کے لیٹنے والے ہیں ہم بھی آپ سے ملنے والے ہیں معلوم
ہوا کہ بہر حال ملاقات ہوگی۔

ان کے واپس آ نے سے ملاقات نہیں ہوگی۔

تو یہ جدائی بھی دائمی جدائی نہیں ہے آخر ایک دن ایک وقت آ ئے گا کہ جس میں ہماری
ملاقات ہوگی جب ہم یہاں سے وہاں چلیں گے تو ملاقات ہو جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا
حضرت عبداللہ بن عباسؓ بے قرار ہیں بے چین ہیں کسی طرح صبر نہیں آ رہا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا خدا کی قسم ایک بدو نے جب نصیحت کی تو مجھے صبر آ گیا۔

آ پ دیکھئے کہ وہ کیسی اعلیٰ نصیحت تھی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا بدو کہتا ہے۔

اصبر نکن بک صابرین فانما صبر الرعیۃ بعد صبر الراس

اے صاحبزادے آپ ہمارے سردار ہیں ہم آپ کے ماتحت ہیں آپ صبر کریں
گے تو ہم بھی صبر کریں گے آپ حاکم ہیں حاکم صبر کرے گا تو رعایا بھی صبر کرے گی مگر صبر کس
بات پر کریں فرمایا۔

خیر من العباس اجرک بعدہٗ واللہ خیر منک للعباس

میں نے جو بات کی ہے یا وجہ نہیں ہے کیونکہ جو واقعہ آپ کے گھر پیش آیا ہے اس
سے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہتر حالت میں چلے گئے اور آپ بھی پہلے سے بہتر
حالت میں آ گئے دونوں کو کچھ نہ کچھ ملا ہے وہ آپ کے والد تھے جو آپ کے حق میں بڑی
دولت تھے وہ آپ سے چھین گئے۔

مگر آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی جدائی پر آپ نے جو صبر کیا ہے اس صبر کے

بدلے وہ دولت آپ کو اللہ نے عطا کی ہے جو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وجود سے بھی زیادہ ہے اور حضرت عباسؓ وہاں چلے گئے تو وہ یہاں سے کچھ بہتر ہو گئے کیونکہ انہیں تمہارے مکان سے بہتر مکان ملا ہوگا۔ تمہارے لباس سے بہتر لباس وہاں انہیں ملا ہوگا تمہاری غذا سے بہتر غذا ان کو ملی ہوگی وہ بھی بہتر حالت میں چلے گئے اور تم بھی بہتر حالت میں آ گئے۔ اس لئے میں کہہ رہا ہوں کہ آپ صبر کیجئے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم اس بدو نے ایسے سادے طریقے پر مجھے تسلی دی کہ میرے دل کو صبر آ گیا تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دنیا کے اندر کوئی ایسا انسان نہیں ہے کہ جس کو اس غم کی منزل سے گذرنا نہ ہو۔ غم کی منزل سے انسان گذرتا ہے تو اس کو اس پر صبر کرنا چاہئے۔

ساتھ ہی ساتھ میں یہ کہوں گا کہ غم تو سب کو ہوتا ہے لیکن ایک غم یہ ضرور ہے کہ جو بے چارہ اٹھ گیا پھر کوئی ایسا نظر نہیں آتا ہے کہ جو اس کی جگہ پر کر سکے۔

ایک شخص ہے جو ہزار ہا خیرات ہزار ہا قسم کی نیکیاں ہزار ہا قسم کا حسن سلوک کرتا ہے وہ اگر اٹھ جاتا ہے تو پھر یہ سمجھئے کہ ساری قوم تقریباً یتیم ہو جاتی ہے۔

بس غم اسی کا ہوتا ہے۔

مجھے واقعہ یاد آیا حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا کہ جب مولانا کا انتقال ہوا تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے جامع مسجد دہلی میں تقریر کی اور لوگوں سے فرمایا آپ حضرات کاہے کو روتے ہیں آپ کو مسئلہ بتانے والے ہم جیسے موجود ہیں رونا تو ہمیں چاہئے کہ جب ہمیں ضرورت ہوتی تھی تو ہم ان سے پوچھا کرتے تھے اب ہم کس سے پوچھیں۔

واقعہ یہ ہے کہ رونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بہت سے ایسے اللہ والے جن کی قومی دینی اور اسلامی خدمات ہیں کہ وہ جب ہم سے جدا ہو جاتے ہیں تو قوم اپنے کو یتیم سمجھتی ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت ہم کو بتا رہی ہے کہ بڑے سے بڑا واقعہ بھی پیش آئے اس پر ہمیں اس لئے صبر کرنا چاہئے کہ صبر کے مقامات اور صبر کے درجے بہت اونچے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب اہل جنت جنت میں جائیں گے تو دیکھیں گے کہ ایک

مقام ہے جو بہت اونچا ہے اور بڑا روشن نظر آ رہا ہے اہل جنت پوچھیں گے کہ یہ کن لوگوں
کے لئے ہے جواب دیا جائے گا کہ یہ ان کے لئے ہے جنہوں نے کہ مصیبتوں پر صبر کیا۔

اہل جنت یہ کہیں گے کہ ہمیں اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ صبر سے اتنے اونچے مقامات ملتے
ہیں تو ہم یہ پسند کرتے کہ ہماری کھالوں کو قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا اور ہم اس پر صبر کرتے۔

میرے دوستو! صبر کے بڑے فضائل ہیں صبر کے بڑے درجے ہیں۔ قرآن کریم کی
یہ آیت آیت صبر کہلاتی ہے اس لئے اگر بڑے سے بڑے غم کا واقعہ پیش آئے تو اس کو اللہ
کے حوالے کرنا چاہئے کیونکہ اللہ کی طرف سے اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہوتی ہیں۔

یہ اس آیت کا ماحصل تھا میری آواز ذرا بیٹھی ہوئی ہے اس لئے میں زیادہ دیر آپ
کے سامنے بول نہیں سکتا اب دعا کیجئے اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا
اجتنابه اللهم صل على سيدنا و مولانا محمد صلاةً تنجينا بها
من جميع الاهوال والآفات و تقضي لنا بها من جميع الحاجات
و تطهرنا بها من جميع السيئات و ترفعنا بها اعلى الدرجات و
تبلغنا بها اقصى الغايات من جميع الخيرات في الحيوة و بعد
الممات انك على كل شيء قدير برحمتك يا ارحم
الراحمين.

تعلیم القرآن
اور پہلا مدرسہ

خطاب نمبر ۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیاٰت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحٰبہ اجمعین

اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انہ من سلیمٰن و انہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (پارہ نمبر ۱۹ سورۃ النمل ع ۱۷)
صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العٰلمین

بزرگان محترم اور برادران عزیز

چھوٹے بچوں کا مدرسہ جو تعلیم القرآن کے نام سے قائم ہوا تھا آج اس کا افتتاح ہوا ہے۔
مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی ہے کیونکہ جوں جوں مادیت کا اور جدید تعلیم کا اثر بڑھتا جا رہا ہے ویسے ہی ہمارے ان چھوٹے مدرسوں کا اور مکتبوں کا نظام ختم ہوتا جا رہا ہے۔ مگر ان سب مکتبوں سے پہلے ایک اور مکتب بھی ہے جسے بچی کے مکتب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔
وہ مکتب ماں کی گود ہے۔
ایک مسلمان بچے کے لئے ماں کی گود پہلا مکتب ہے اس مکتب میں داخلہ کے لئے کوئی فیس نہیں لی جاتی ہے اور اس میں رسمی طور پر کچھ پڑھانا بھی نہیں ہوتا ہے۔
لیکن ایک بچہ ماں کی گود میں جب پرورش پاتا ہے تو اس وقت وہ جو حقیقی تعلیم حاصل

کرتا ہے وہی تعلیم اس کی زندگی کی بنیاد ہوتی ہے۔

یہ قیمتی تعلیم بچہ اس وقت حاصل کر سکے گا جب کہ ماں کی گود میں اسلام ہو۔ ماں کی گود میں اسلام نہ ہو گا تو بچے کو اسلام کیسے ملے گا ایک زمانے کی بات ہے۔ آج سے تقریباً پینتیس سال پہلے کی بات ہے۔

میں نے نویں جماعت کی ایک لڑکی کا تاریخ اسلام کا پرچہ دیکھا۔ اس میں اس نے لکھا تھا۔ حضرت فرعون علیہ السلام۔ اس بیچاری کو نہیں معلوم کہ فرعون پیغمبر تھا یا پیغمبر کا دشمن تھا۔

اس لئے میں نے عرض کیا ہے کہ ماں کی گود میں اسلام ہو تو بچوں اور بچیوں کو اسلام اور اس کی تعلیمات حاصل ہوں گی۔ انگریزوں نے جب ہندوستان میں قدم جمائے تو انہوں نے ایک اسکیم بنائی کہ کسی بھی طرح مسلمان بچوں سے مذہبی جذبے کو نکال دیا جائے۔

کیوں؟ انہوں نے کہا ہماری مشینریں تبلیغ کرتی ہیں تو مسلمان بچے ہماری تہذیب اختیار کرنے کو تیار، ہمارا لباس پہننے کو تیار، ہماری زبان بولنے کو تیار لیکن جب ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ اپنا دین بدل لو تو وہ اپنا دین بدلنے کو تیار نہیں ہوتے ہیں۔

اس کی وجہ کیا ہے؟

ایک بوڑھے تجربے کار انگریز نے کہا کہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمان بچے جن عورتوں کی گود میں پرورش پاتے ہیں وہ عورتیں پکی مسلمان ہوتی ہیں اور وہ پرورش کے زمانے میں بچے کو اتنا پختہ مسلمان بناتی ہیں کہ اگر آپ ان کو کاٹ کاٹ کر قیمہ بھی کر دیں تو اسلام ان کے اندر سے نہیں نکلے گا۔

اس نے کہا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بچے مرتد ہونے کے لئے مل جائیں تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کی گود سے اسلام نکال دیا جائے۔

چنانچہ اس زمانے میں تعلیم نسواں اور حریت نسواں کے نام سے تحریکات چلیں۔

پھر وہ زمانہ آ گیا کہ جو عورتیں اپنے بچوں کو پرورش اور تربیت کے زمانے میں سورۂ فاتحہ یاد کراتی تھیں کلمہ یاد کراتی تھیں انشاء اللہ ماشاء اللہ اور سبحان اللہ کے الفاظ یاد کراتی تھیں ان عورتوں کو خود ہی یہ کلمات یاد نہ رہے۔

اور جب انہیں ایسی خواتین مل گئیں اور ان کی گودوں میں بچوں نے پرورش پائی تو بہت سے مسلمان انہیں ایسے مل گئے کہ بڑے ہونے کے بعد انہیں عیسائیت کی تعلیم دی گئی تو انہوں نے اپنا مذہب چھوڑ دیا۔ ایسا کیوں ہوا۔

اس لئے کہ عمارت تو قائم ہے لیکن بنیاد مضبوط نہیں بنیاد ہے اس کی پہلا مکتب۔ پہلا مکتب وہ ہے ماں کی گود۔

چلئے ہمارا دوسرا مکتب ہماری مساجد کے تعلیمی مدرسے ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ ختم ہو رہے ہیں۔

مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ کے ہاں پہلے مکتب کے لئے بھی کہیں کہیں تعلیم نسواں کے نام سے مدرسوں کا انتظام ہے۔

اور عورتوں کی دینی تعلیم کے لئے بھی آپ کے ہاں انتظامات ہیں اور بچوں کے لئے بھی آپ نے تعلیم قرآن اور مکتب کا انتظام کیا ہے۔

اور جوان دینی مدرسوں میں علم حاصل کریں گے تو انشاء اللہ العزیز ان کا دین اور ایمان محفوظ ہوگا اور انہیں کسی طرح کا نقصان نہ ہوگا۔

دوسری بات اس سلسلہ کی یہ تھی کہ افتتاح کے موقع پر مولوی صاحب نے کہا آپ انہیں بسم اللہ پڑھا دیں میں نے بسم اللہ پڑھا دی۔ الفاظ وہاں پڑھائے تھے معنی اس کے یہاں بیان کرتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے تو وہ کام نا تمام ہے وہ کام ناقص ہے مثلاً آپ نے مکان بنایا۔ بسم اللہ آپ نے نہیں کہا آپ کی نظر میں مکان مکمل تو ہے لیکن اللہ کی نظر میں وہ مکمل نہیں۔

کسی مولوی صاحب نے وعظ میں بیان کیا تھا کہ بلا وضو نماز نہیں ہوگی ایک پٹھان صاحب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے بار ہا کردیم شد آپ کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوتی ہے ہم نے تو بارہا بلا وضو نماز پڑھی ہے۔ اور نماز ہوگئی۔

بھائی ہوگئی کا کیا مطلب۔ آپ ہوگئی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نے سارے کے آخر تک سارے ارکان ادا کر دیے۔ سوال یہ ہے کہ آیا خدا کے ہاں یہ نماز قبول بھی ہوئی یا نہیں ہوئی۔

ایسی نماز تو اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔

بہرحال کوئی کام ہم کریں تو اس کا آغاز اور اس کی ابتداء اللہ کے نام سے ہونی چاہئے۔

آپ دیکھئے کہ وہ کتاب جو ہمارے اور آپ کے عقیدوں کی بنیادی کتاب ہے جس کو کتاب اللہ کہتے ہیں اس کی ابتداء ہوتی ہے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے۔

علماء نے لکھا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم باب رحمت ہے یہ رحمت کا دروازہ ہے۔ اس سے آپ قرآن میں داخل ہوتے ہیں۔

میرے دوستو! جس محل کے دروازے ہی پر آپ کو رحمت مل جائے تو اس محل کے اندر داخل ہونے کے بعد کتنی رحمتیں اور کتنی سعادتیں مل جائیں گی آپ اندازہ لگائیے اور یہ دروازے ہی سے معلوم ہو رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پہلے زمانے میں لوگ مکان بناتے تھے تو اس کا دروازہ بڑا عالیشان بناتے اس کو حویلی کہتے ہیں عام طور پر دروازے کو دیکھ کر یہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ مکان کے اندر رہنے والے کس حیثیت کے آدمی ہیں۔

چنانچہ ایک فقیر کا گزر ایک محلے سے ہوتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ ایک شاندار محل ہے۔ جس کا ایک عالی شان دروازہ ہے۔

وہ وہاں کھڑا ہو گیا اس نے محسوس کیا کہ اس کے اندر رہنے والا بڑی حیثیت کا آدمی ہوگا۔ اور آج اس شاندار دروازے سے اتنی بھیک ملے گی کہ شام تک کسی اور جگہ مانگنے کی مجھے ضرورت نہ ہوگی۔

فقیر نے صدا لگائی اندر سے ایک خادمہ آتی ہے اور آٹے کی چٹکی اس فقیر کو دے کر چلی جاتی ہے۔

فقیر حیران کبھی وہ اپنی بھیک کو دیکھتا ہے تو کبھی اس شاندار دروازے کو دیکھتا ہے۔

کہتا ہے یا اللہ دروازہ ہے کتنا شاندار اور بھیک ہے کتنی حقیر اس فقیر کو غصہ آجاتا ہے تو وہ اپنے گھر جاتا ہے ہتھوڑا اٹھا کے لاتا ہے اور اس مکان کے دروازے پر چڑھ کر اس کی اینٹیں گرانی شروع کر دیتا ہے۔

مالک مکان آتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا کرتے ہو۔ فقیر کہتا ہے یہ آپ کا عالی شان دروازہ ہے اور آپ کے اس عالی شان دروازے سے یہ بھیک۔

فقیر کہتا ہے آپ کو دو کاموں میں سے ایک کام کرنا ہے یا تو آپ میری بھیک اپنے دروازے کے مطابق بنائیں ورنہ میں آپ کے دروازے کو بھیک کے موافق بنائے دیتا ہوں اتنا شاندار دروازہ لئے بیٹھے ہو اور یہ بھیک دے رہے ہو۔

میرے دوستو! دروازہ شاندار ہو تو معلوم ہوگا کہ اس میں بڑے بڑے باغات بھی ہوں گے کیاریاں نہریں بھی ہوں گی دودھ کی نہریں بھی ہوں گی۔ شہد کی نہریں بھی ہوں گی وہ ایک عجیب وغریب چیز ہوگی۔

کیوں اس لئے کہ دروازہ رحمت کا دروازہ ہے۔

بہرحال بسم اللہ الرحمن الرحیم آیت رحمت ہے۔ اس لئے یہ ایسے اوقات اور حالات میں پڑھی جاتی ہے جہاں رحمت کا مظاہرہ ہو اور جہاں خدا کے قہر کا مظاہرہ ہو وہاں یہ آیت رحمت نہیں پڑھی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی تمام سورتوں میں اللہ نے اس آیت رحمت کو نازل فرمائی ہے۔

لیکن سورہ برأت یا سورہ توبہ میں یہ آیت نازل نہیں فرمائی۔

اس لئے کہ سورۂ توبہ میں اللہ کے غضب وقہر کا اظہار ہے۔ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ آپ کسی جانور کو ذبح کر رہے ہوں۔ مرغی ہو یا بکری یا دوسرا جانور جو حلال ہو تو اس موقع پر بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ پڑھے۔

اس کو پڑھنا جائز نہیں کیوں اس لئے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم آیت رحمت ہے اور آپ کا یہ عمل کہ ہاتھ میں چھری ہے جانور کی جان لے رہے ہیں اگرچہ اللہ نے ذبح کی اجازت دی ہے لیکن یہ موقع آیت رحمت کے پڑھنے کا نہیں ہے یہاں صرف بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا جائے۔

کیوں؟ اس لئے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم آیت رحمت ہے اور آپ کا عمل قہر ہے۔

اور اگر آپ نے اللہ کا نام نہیں لیا اور بسم اللہ اللہ اکبر نہیں لیا تو وہ ذبیحہ بھی جائز نہ ہوگا۔

بہرحال یہاں اللہ کا نام لیا جائے اللہ کی بڑائی بیان کی جائے اور اس کی کبریائی کا اظہار کیا جائے۔

میرے دوستو! یہ آیت آیت رحمت ہے اس کی تاریخ یہ ہے کہ اللہ نے یہ آیت رحمت دو پیغمبروں پر نازل فرمائی۔

ایک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ایک حضرت سلیمان علیہ السلام پر اسی لئے قرآن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم دو الگ الگ آتی ہیں۔ فرمایا انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ سورہ نمل میں ہے۔

اور ایک دوسرے تلاوت کے شروع میں آپ دیکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں یہ ایک مستقل آیت ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ تراویح میں قرآن جب ختم کیا جاتا ہے تو ایک سورۃ کے ساتھ شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم زور سے پڑھی جاتی ہے اور اگر کسی نے زور سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے تمام آیتوں کی تلاوت تو کی ہے لیکن ایک آیت کی اس نے تلاوت نہیں کی ہے اور وہ ایک آیت رہ گئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اس طرح نازل ہوئی ہے کہ سب سے پہلے عرب میں باسمک اللھم کہنے کا رواج تھا۔ اے اللہ تیرے نام سے۔ جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن (پ۱۵ ع ۱۲) (اے محمدؐ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا اللہ کو رحمٰن کہہ کر پکارو)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سب سے بہتر نام جو اللہ کو پسند ہیں وہ اللہ اور رحمٰن ہیں۔

اسی لئے ناموں میں دو نام بہت پسندیدہ ہیں ایک یہ کہ اللہ کے لفظ پر عبد لگاؤ کہو عبداللہ یا رحمٰن کے لفظ پر عبد لگاؤ کہو عبدالرحمٰن۔ جب وہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو حضورؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ باسمک اللھم چھوڑ دو اور بسم اللہ الرحمٰن کہو۔ کیوں قرآن کی آیت بتا رہی ہے کہ اللہ کے ناموں میں سے دو نام سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ ایک لفظ اللہ دوسرا لفظ رحمٰن۔

تو مسلمانوں نے ایسے ہی لکھنا بھی شروع کیا اور ایسے ہی پڑھنا بھی شروع کیا۔
اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام والی آیت نازل ہوئی۔
انه من سلیمان و انه بسم اللّٰه الرحمن الرحیم
تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بسم اللّٰه الرحمن کے ساتھ لفظ رحیم بھی ملاؤ اس طرح یہ آیت رحمت کئی درجوں پر نازل ہوئی۔
اس لئے کوئی کام جب شروع کیا جائے تو بسم اللّٰه الرحمن الرحیم پڑھ لی جائے اور اس میں اللہ کے تین نام ہیں ایک لفظ اللہ ایک لفظ رحمٰن ایک لفظ رحیم۔
بہرحال ہر کام کی ابتداء پر اللہ کا نام لینا چاہئے۔ اس سے کام پورے ہوتے ہیں ورنہ کام ادھورے کے ادھورے رہ جاتے ہیں جیسے ایک چودھری صاحب رقم لے کر گھر سے بازار چلے ایک اعلیٰ قسم کا عربی گھوڑا خریدنے کے لئے راستے میں ایک مسلمان مل جاتا ہے اور چودھری صاحب سے دریافت کرتا ہے کہ چودھری صاحب کہاں جا رہے ہو۔ چودھری صاحب نے کہا کہ گھوڑا خریدنے بازار جا رہا ہوں۔
اس نے کہا چودھری صاحب آپ کہیں انشاءاللہ۔
چودھری صاحب نے کہا واہ صاحب جیب میں میری رقم موجود ہے بازار میں گھوڑا موجود ہے۔ انشاءاللہ کی کیا ضرورت ہے۔
اس نے کہا میں آپ سے حجت بازی اور دھکل بازی نہیں کروں گا آپ میری بات نہیں مانتے ہیں تو نہ مانئے۔
چودھری صاحب بازار گئے۔ ایک گھوڑا انہیں پسند آیا اور اس کا بھاؤ تاؤ بھی طے کر لیا۔ رقم دینے کے لئے انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ رقم کہیں گر گئی ہے۔
اب وہ بڑے پریشان ہوئے کہنے لگے بھائی میری رقم کہیں گر گئی ہے میں ابھی تلاش کر کے آتا ہوں ذرا ٹھہریئے۔
جب وہ ڈھونڈنے کے لئے گئے تو وہی مسلمان صاحب مل گئے۔
پوچھا چودھری صاحب کیا آپ نے گھوڑا خرید لیا کہنے لگے ابھی آپ سے رخصت

ہو انشاءاللہ۔ بازار گیا انشاءاللہ گفتگو کی انشاءاللہ بھائی اب انشاءاللہ کہنے سے کیا ہوگا۔
چڑیاں کھیت چگ گئیں۔

میرے دوستو! اس حدیث پاکؐ پر بھی ہمارا عقیدہ ہے اس پر بھی ہمارا یقین ہے۔
اس لئے ہر کام کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لینا چاہئے۔

آج ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ غیر ملکوں نے بھی اپنا دین چھوڑ دیا ہے ایسی بات نہیں ہے۔
مجھے انگلینڈ کئی دفعہ جانے کا اتفاق ہوا وہاں بعض ایسے خاندان جن کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب ان کے بچے کھانا کھانے بیٹھتے تھے تو وہ اپنے مذہب کے طریقے پر ان سے کہتے کہ پہلے منہ ہاتھ دھولو۔ پھر کھاؤ۔ آج ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ دنیا نے اپنا مذہب چھوڑ دیا ہے اور اپنا دین چھوڑ دیا ہے۔

اول تو چھوڑا نہیں اور اگر انہوں نے چھوڑ بھی دیا ہے تو بہرحال ہمارے لئے اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ ہم اپنے بچوں کو سکھائیں اور یہ کہیں کہ کھانا کھاؤ یا کسی کام کی ابتداء کرو یا وضو کی ابتداء کرو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا کرو۔ یہی شیوہ ہے مسلمان کا یہی تعلیم ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے ہمارے کام بھی پورے ہوتے ہیں اور اللہ کی نظر میں قبول بھی ہوتے ہیں۔

مختصر طریقے پر بسم اللہ کے بارے میں یہ عرض کیا ہوں اب دعا کیجئے اے اللہ تعلیم القرآن کے مدرسے کو فروغ دے۔ اے اللہ بانیان کی نیک نیتی پر انہیں جزائے خیر عطا فرما۔ اے اللہ اس مدرسے کو اسلام کے فروغ اور ترقی کے لئے قبول فرما اور جو بچے یہاں سے فارغ ہوں تو ان کے دین کی حفاظت فرما۔ اے اللہ ان کے ایمان کی حفاظت فرما اور انہیں اس سے زیادہ علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اللھم ارنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلاً و ارزقنا اجتنابہ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

عقل و نقل

خطاب نمبر ۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و الہ و اصحٰبہ اجمعین

اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والنجم اذا ھوی ما ضل صاحبکم وما غوی و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی علمہ شدید القوی ذومرۃ فاستوی وھو بالافق الاعلی (پ ۲۷ سورۃ النجم ع ۵)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العٰلمین۔

حضرات منتظمین مدرسہ معدن العلوم اور اساتذۂ کرام مہمانانِ گرامی قدر میرے بزرگو دوستو دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ میں شرکت کے طفیل پچیس سال کے بعد آج مجھے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ آپ حضرات کے درمیان آ کر میں نہایت خوش ہوا ہوں اور یہ دیکھ کر بھی مجھے بے حد مسرت ہوئی ہے کہ آپ حضرات یہاں امن اور اطمینان بخش طریقے پر اس ملک میں اپنے کاروبار اور کام کاج میں مصروف ہیں۔

آپ کے خاندان والوں نے بڑے اہم کام کاروبار کے اعتبار سے بھی قائم کئے اور دینی قومی و ملی خدمات کے اعتبار سے بھی آپ سب سے زیادہ سبقت لے جانے والے ہیں میری نظر میں۔ اللہ آپ کو اس سے زیادہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو اس سے زیادہ

اللہ تعالیٰ آپ کے قلوب کو سکون عطا فرمائے۔ خصوصیت سے شہر وانم باڑی آتے ہوئے بے حد خوشی ہوئی کیونکہ یہ شہر مختلف حیثیتوں سے معروف و مشہور ہے۔

یہاں تجارتی معیار بھی بلند ہے دینی معیار بھی بلند ہے۔ یہاں مدرسۃ نسواں کے نام سے دینی درسگاہ قائم کی گئی ہے۔ میں نے مدرسۃ نسواں کے معائنہ کی کتاب میں لکھا ہے کہ عرب و عجم میں ایسی درسگاہ لڑکیوں کے لئے میں نے کہیں نہیں دیکھی ہے۔ آپ حضرات نے اس شہر میں تعلیم قرآن دینی اور اسلامی علوم کی درسگاہیں قائم کی ہیں جس کی زندہ تعبیر مدرسہ معدن العلوم ہے جس کے میدان میں آپ اور ہم سب جمع ہیں۔

یہ ایک علمی اور عربی درسگاہ ہے اس لحاظ سے یہ شہر بہت اہم ہے اور اہمیت کے دوسرے اسباب یہ بھی ہیں کہ ہمیشہ دیکھیے جہاں خزانہ ہوتا ہے چوروں کا وجود بھی آپ کو اسی جگہ نظر آئے گا۔

اسی طرح فتنوں کے آثار بھی آپ کو اسی جگہ نظر آئیں گے جہاں اللہ والے اخلاص کے ساتھ دین کی کوشش کر رہے ہیں۔ ویسے یہ زمانہ فتنوں کا ہے۔ آپ کے شہر کا معاملہ ہو خواہ برصغیر کے دوسرے شہروں کا معاملہ ہو۔ عام نقطۂ نظر سے عرض کرتا ہوں کہ جس دور سے ہم اور آپ گذر رہے ہیں وہ دور دور قمر ہے۔

آپ میں اہل علم ہیں اللہ والے ہیں بہت سے نوجوان تعلیم یافتہ بھی ہیں مجھے نہیں معلوم کہ آپ دور قمر سے کیا مراد لیتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایسی چیزوں میں ہر آدمی اپنے مذاق کے موافق اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔

جیسے ایک صوفی اور ایک بنیا پیدل دونوں جا رہے تھے۔ جنگل کی کسی جھاڑی سے تیتر کے بولنے کی آواز آتی ہے۔ تیتر جس طرح بولتا ہے وہ آپ کو معلوم ہے ہم اور آپ پرندوں کی زبان نہیں جانتے ہیں۔ ویسے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر اور فوائد میں لکھا ہے کہ کلکتہ میں ایک ڈاکٹر بھوش رہتا تھا وہ نباتات کی زبان جانتا تھا کہ درخت آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں۔ ان کے کیا تاثرات ہیں اس وقت وہ کیفیت غم کی ہے یا کیفیت سرور کی ہے وہ ان کو سمجھتا تھا ہم اور آپ پرندوں کی زبان نہیں سمجھتے ہیں۔

تیتر بول رہا تھا تو وہ درویش جھومنے لگے۔ بیٹے نے پوچھا صوفی جی آپ کیوں جھوم رہے ہو کیا بات ہے؟ صوفی صاحب نے کہا سنتا نہیں دیکھ یہ کیا کہہ رہا ہے تیتر کہہ رہا ہے سبحان تیری قدرت، سبحان تیری قدرت۔

بیٹے نے کہا اچھا جی! آپ تو خوب سمجھے میں تو ایسا نہیں سمجھا تھا۔ بیٹے نے کہا تیتر کے بولنے سے میں نے یہ سمجھا ہے: نون، تیل، ادرک۔ نون، تیل، ادرک۔

صوفی جی نے تیتر کے بول سے سبحان تیری قدرت کا مفہوم نکالا اور بیٹے نے نون تیل ادرک کا مفہوم نکالا۔

دور قمر سے کیا مراد ہے۔ آج کا نوجوان یہی کہے گا کہ سائنس کا زمانہ ہے چاند پر جانے کا زمانہ ہے۔ سائنس نے بڑی ترقی کی ہے آپ کے سامنے میں اس وقت کے دور قمر کو پیش کر رہا ہوں جس کو آج سے صدیوں پہلے عارف نے پیش کیا تھا۔ حافظ شیرازی کا وہ شعر اور ہے، فرمایا کہ:

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

سارا جہان فتنوں سے بھر گیا ہے۔ آگے فرمایا۔

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم

بھائی بھائی کا ہمدرد نہیں ہے۔ باپ بیٹے کا ہمدرد نہیں۔ بیٹا باپ کا ہمدرد نہیں ہے۔ اخلاقی قدریں مٹ چکی ہیں۔ فتنوں کا دور دورہ ہے۔

حافظ شیرازی کی نظر میں دور قمر سے مراد وہ وقت ہے۔ کہ جس میں فتنے ہی فتنے ہوں گے روحانیت برائے نام بھی نہ ہوگی طرح طرح کے فتنے سر اٹھائے کھڑے ہوں گے۔

اور اگر دور قمر سے مراد سائنس کا دور مراد لیا جائے تو وہ بھی فتنوں سے بچا ہوا نہیں۔ چونکہ سائنس جتنی ترقی کر رہی ہے اسی قدر مسلمان نوجوان سوچتا ہے کہ دین کا کیا ہوگا مذہب کا کیا ہوگا۔

آپ کے ہاں ساؤتھ افریقہ کے بھی طالب علم ہیں میں اس وقت افریقہ پہنچا جب کہ پہلی مرتبہ سائنس والے چاند پر پہنچے تھے۔ نوجوان حضرات مجھ سے پوچھنے لگے کہ ہمارے مذہب کا کیا ہوگا یہ تو چاند پر جا پہنچے ہیں۔ میں نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ غم اپنے مذہب کا آپ ہی کو ہے یہ فکر آپ کو لگا ہے فکر تو ہم کو ہونی چاہیے کہ

دین کی باتیں بتانے کے لئے ہم یہاں آئے ہیں اور جب ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ چاند پر بھی آبادی ہے تو دین کی باتیں بتانے کے لئے وہاں بھی ہمیں جانا ہوگا۔ سائنس داں تو زیادہ تر جرمنی ہیں انہوں نے سائنس میں اتنی ترقی کی ہے کہ بالآخر انہوں نے اپنا مذہب طاق میں لپیٹ کر رکھ دیا لیکن چاند پر جانے والے جب واپس آئے تو ان کی آمد پر پادریوں کا انتظام کیا گیا۔ چاند پر خلانوردی سے واپس ہونے والوں کو سب سے پہلے پوپ سے ملایا گیا تو انہوں نے ان کے سامنے اپنی واپسی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ دیکھئے سائنسداں یاد الٰہی کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں لیکن ہم کو اور آپ کو فکر یہ ہے کہ ہمارے مذہب کا کیا ہوگا؟

نوجوان طبقہ سوچ رہا ہے کہ سائنس کی ترقی کے اس دور میں قابل تقلید انسان کی عقل ہے یا قابل تقلید الہامی وحی ہے۔ دامن کس کا پکڑا جائے جوں جوں سائنس ترقی کر رہی ہے عقل بغاوت پر تلی ہوئی ہے۔

علامہ اقبال کا شعر یاد آ گیا۔ ؎

سپاہ تازہ برانگیزم از ولایت عشق　　　کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است

علامہ اقبال فرماتے ہیں مجھے عقل والوں کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تو عشق والوں کی ضرورت ہے کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حرم میں عقل بغاوت پر آمادہ ہے اس کا مقابلہ تو عشق کی فوج ہی کر سکتی ہے۔ اس لئے مجھے فوج عقل والوں کی نہیں عشق والوں کی چاہئے۔

بہر حال آج یہ کہا جا رہا ہے کہ دامن وحی کا پکڑا جائے یا عقل کا۔

یہ بحث آج کی نہیں برسہا برس کی ہے ویسے تو بہت سے عقل پرست ہیں اور بعض نقل پر عقل کو بالکل ہی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ عقل پرستی کا واقعہ سناؤں کہ ایک بچہ بسم اللہ کرتا ہے تو مولوی صاحب کہتے ہیں کہو بیٹا الف کہو بیٹا ب۔ وہ کہتا ہے استاد جی میں اس وقت تک پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہوں جب تک کہ آپ یہ نہ بتائیں کہ یہ لمبا لمبا الف کیوں ہے یہ لیٹی ب کیوں ہے؟ وہ کہیں گے بیٹا تم ایسے ہی عقل پرست ہو تو تمہاری قسمت میں علم نہیں ہے بستہ لپیٹ کر طاق میں رکھ دو۔ عقل کے پرستار کہتے ہیں کہ ہم عقل کے بغیر کسی مسئلہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں لیکن میں یہاں تک کہوں گا کہ زندگی کے بعض اہم مسائل ایسے ہیں کہ آپ

چاہیں کہ ان مسائل کو عقل سے حل کیا جائے تو آپ کے لئے ان کا حل عقل سے ناممکن ہوگا۔
ایک شخص کا نیوکار رہنے والا تھا تعلیم کی غرض سے اس نے اپنے لڑکے کو ولایت روانہ کیا۔ ڈگری کے بعد ان کا لڑکا بڑے عہدے پر فائز ہو گیا ان کے والد لڑکے کے ہاں دفتر میں آیا جایا کرتے تھے۔ آنے جانے والوں نے ان کے لڑکے سے دریافت کیا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں؟
اس نے کہا یہ میرے ملنے والے ہیں۔ بڑے میاں نے کہا نہیں میں اس کا ملنے والا نہیں ہوں میں تو اس کی ماں کا ملنے والا ہوں۔ یہ میرا لڑکا ہے بیٹے کو غصہ آتا ہے وہ اپنے والد کے نام نوٹس دیتا ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ خود کو میرے والد کہتے ہیں۔ ایک ماہ کے اندر اندر آپ یہ ثابت کر دیں گے کہ میں آپ کا لڑکا ہوں اور آپ میرے والد تو آپ کو کوئی حق حاصل نہ ہوگا کہ اس کے بعد بھی آپ یوں کہتے رہیں کہ میں آپ کا لڑکا ہوں اور آپ میرے ابا ہیں۔
عقل کے پرستار بتلائیں کہ انہیں والد ہونا کس طرح ثابت کریں؟
مسئلہ ہمارے نسب کا ہے کیسے یہ ثابت کیا جائے؟ وہ بیچارہ بھاگا بھاگا وکیل کے پاس گیا۔ وکیل نے کہا ڈاکٹر کے پاس جاؤ وہ گئے ڈاکٹر نے کہا ایسا کرو کہ اپنے اور اپنے لڑکے کے خون کے چند قطروں کو لو اور دونوں کے خون کو ملا دو۔ دونوں کا خون جب آپس میں مل جائے تو سمجھ لو کہ وہ تمہارا بیٹا ہے اور تم اس کے ابا ہو۔ ارے یہ کیا ہوا۔ ایک شخص یہاں کا ہو اور دوسرا افریقہ کا اور دونوں کے خون کو ملایا جائے تو بھی وہ مل جائے گا۔ آپ کی یہ کیسی بات۔
دوسرے ڈاکٹر نے کہا کہ ایک لین میں اپنے دوست واحباب کو کھڑا کر دو اور ایک لین میں تم اپنے لڑکے کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور یہ کہو کہ مجھ سے کس کی شکل ملتی ہے؟ جس کی شکل تم سے ملے سمجھ لو کہ تم اس کے ابا ہو اور وہ تمہارا لڑکا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا کیا جائے تو خاندان میں جوتا چل جائے گا اس لئے کہ بچہ کبھی ماموں کی شکل کا ہوتا ہے اور کبھی چچا کی شکل کا ہوتا ہے اب کیا کیا جائے یہ مقدمہ کیسے حل ہو۔
اور آپ نے یہ طے کر لیا ہے کہ عقل کی راہ ہی اپنائی جائے اور اسی سے مسائل حل کئے جائیں یہ مسئلہ تو عقل کی راہ سے حل نہیں ہو رہا ہے۔ اب کیسے طے کیا جائے کیا شکل ہے اس سے کہا جائے گا کہ اے نادان۔ جا امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم اٹھا لا۔ تیرے

مقدمے کا حل اس میں ملے گا۔

میرے دوستو! دنیا میں دو طرح کی عدالتیں ہیں ایک دیوانی اور ایک فوجی۔ ایک میں جھگڑوں کے مقدمے سنے کئے جاتے ہیں ایک میں مالیات کے مقدمے طے کئے جاتے ہیں۔ دیوانی عدالت سے پاگل عدالت مراد مت لیجئے کیونکہ اکبر نے اس سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ

شد تپ کار گزاری میں بھی وحشت کو خیال
جس عدالت کا میں منصف ہوں وہ دیوانی ہے

یہاں اکبر نے دیوانی سے مراد پاگل لیا ہے وہ تو شاعر تھے

امام غزالی نے کہا ہے کہ دنیا میں دو عدالتیں ہیں ایک عدالت عقل کی ہے ایک عدالت نقل کی ہے۔ عقل کی عدالت وہ ہے جہاں دلیل سے سمجھا جائے نقل کی عدالت وہ ہے جہاں دلیل کا سوال نہیں ہوتا ہے وہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ اس نے اس سے نقل کیا اور نقل کرنے والا بڑا ثقہ راوی ہے۔ کہ لڑکے کے والد سے کہا جائے گا کہ دیکھو تمہارا مقدمہ عقل کی عدالت کا نہیں ہے۔ تمہارا مقدمہ تو نقل کی عدالت کا ہے۔

جاؤ محلے والوں کی روایت کو سنو یا ڈاکٹر صاحب سے دریافت کرو یا دائی سے پوچھو ان میں سے کسی نہ کسی کی روایت کو سننا ہی ہوگا کیونکہ ان کی روایت پر عمل کئے بغیر تمہارا نسب ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔

عزیز دوستو! ان مسائل میں عقل پر نہیں نقل پر عمل کرنا ہوگا۔ صرف عقل ہی سے مسائل حل ہو جائیں یہ ناممکن ہے۔

اسی طرح جو صرف نقل ہی نقل کو لئے ہوئے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں۔ ایک صاحب کا عجیب قصہ ہے۔ وہ تھے ملازم جب دورہ ملازمت پر چلے تو گھر پر نوکر اور نوکرانی کو چھوڑ گئے۔ ان کی بیگم صاحبہ نہانے کی غرض سے کپڑے بدل رہی ہیں چوڑیاں اتار رہی ہیں بال کھول رہی ہیں۔ عام طور پر یہ حالات اس وقت عمل میں آتے ہیں جب کہ عورت بیوہ ہو جائے۔ نوکرانی نے دیکھا کہ بیگم صاحبہ کے کپڑے بدلے ہوئے ہیں بال کھلے ہوئے ہیں اور

چوڑیاں بھی اتری ہوئی ہیں تو وہ دیکھ کر رونے لگی۔ روتے ہوئے گھر گئی اور شوہر سے کہنے لگی کہ بیگم صاحب بیوہ ہوگئی ہیں۔ اس کا شوہر بھی رونے لگا اور اس نے کہا چلو آقا کے پاس چلیں وہ دفتر گئے ان کی میز کے پاس دھاڑے مار مار کر رونے لگے کہنے لگے آج حضور میں پورے وثوق کے ساتھ یہ خبر لایا ہوں کہ آپ کی بیگم صاحب بیوہ ہوگئی ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ شوہر صاحب بھی رونے لگے دفتر والوں نے پوچھا بھائی کیا بات ہے۔ خیریت تو ہے کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا میری بیگم بیوہ ہو چکی ہیں۔ دفتر والوں نے کہا آپ زندہ ہوں اور آپ کی بیگم بیوہ ہو جائے یہ کیسے؟ شوہر صاحب کہنے لگے ارے بھائی آپ تو دلیل کی باتیں کرتے ہیں یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ گھر سے آیا ہوا فرد معتبر ہے اور پوری خبر لایا ہے۔

میرے دوستو! جن لوگوں نے عقل ہی عقل کو پکڑا ہے وہ بھی غلطی پر ہیں اور جنہوں نے نقل ہی کو تھاما ہے وہ بھی غلطی پر ہیں علامہ اقبال نے صحیح کہا ہے:

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش　　　تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

اختلاف دراصل اس بات میں ہے کہ عقل ہادی ہے یا وحی خداوندی اور آپ کے سامنے قرآن حکیم کی جس سورت کی میں نے تلاوت کی ہے وہ سورۃ النجم ہے۔ نجم کے معنی ہدایت کے ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اصحابی کالنجوم۔ میرے صحابہ ستارے ہیں۔ ستاروں سے مراد آج کے ستارے مراد مت لیجئے جنہیں فلم اسٹار کہتے ہیں وہ تو ظلمت کے ستارے ہیں صحابہ تو نور کے ستارے ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق حضور ارشاد فرماتے ہیں۔ میرے صحابہ ستاروں کے برابر ہیں ان میں سے جن کی بھی تم اقتداء کرو گے ہدایت کی منزل پر پہنچ جاؤ گے۔

بہرحال اس سورت میں اللہ تعالیٰ ستاروں کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں۔ آپؐ سے کسی گناہ کے سرزد ہونے کا سوال نہیں۔ آپؐ سے کسی لغزش کے ہونے کا سوال نہیں۔ آپؐ ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ ہیں۔

ایک گمراہی عقیدے کی ہوتی ہے ایک گمراہی عمل کی ہوتی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس وہ ہے کہ آپؐ کا فکر بھی معصوم اور آپؐ کا عمل بھی معصوم۔ آپؐ سے کسی

طرح کی غلطی کا امکان ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور آپ کا عمل وحی پر مبنی ہے۔ انسان سے غلطی وہاں ہوتی ہے جہاں انسان اپنے طور پر عمل کرے اور اپنے طور پر کہے۔ ایسی صورت میں اس کے عمل میں بھی اور اس کے قول میں بھی غلطی ہو سکتی ہے۔

جیسا کہ برطانیہ میں جب مرد کا میلان مرد کی طرف تیزی سے بڑھتا گیا تو اس کی روک تھام سے حکومت برطانیہ قاصر رہی۔ برطانیہ کی پارلیمنٹ نے کہا کہ ہم اس کو روک نہیں سکتے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مسودہ قانون کا پاس کر دیا کہ یہ عمل گناہوں کی فہرست سے نکل گیا۔ ایک ہی چیز انسانوں کے ہاتھوں میں آج صحیح ہے تو کل وہی غلط کل وہ حق ہے تو آج وہی باطل۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں کے ہاتھ حرام وحلال جواز وعدم جواز کا کام نہیں دیا گیا ہے۔

کہا گیا ہے:

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے

ایسی اہم ذمہ داری کا کام انسانوں کے بس کا نہیں ہے کیونکہ عقل کا فیصلہ ایک صدی پہلے صحیح تھا تو آج وہی فیصلہ غلط آج کا فیصلہ کل تک باقی رہے نہ رہے معلوم نہیں۔

حضرت اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ فرمایا کہ پہلے کہتے تھے کہ آسمان گردش میں ہے زمانہ کچھ آگے بڑھا تو اہل عقل نے کہا کہ آسمان نہیں زمین گردش کر رہی ہے۔ پھر یہ کہا کہ نہیں نہیں دونوں گردش کر رہے ہیں۔ مولانا نے کہا یہ تو رہا فلسفہ آپ کا لیکن یہی ہمارے لئے کھباڑا بن گیا ہے جب تک ہم اوپر تھے تو کہتے تھے آسمان گردش میں ہے اور جب ہم نیچے آئے تو کہتے ہیں زمین گردش میں ہے۔

تھا عالم بالا میں تو گردش میں فلک تھا
اور جب سے میں دنیا میں ہوں گردش میں زمیں ہے

پہلے آپ نے کہا کہ سیب چھیل کے کھاؤ پھر کہنے لگے کہ نہیں ڈاکٹروں کی رائے بدل گئی ہے اب وہ کہتے ہیں کہ چھلکا سمیت کھاؤ۔

مولانا احمد سعید نے فرمایا کہ ارے بھائی انتظار کرو ڈاکٹروں کی یہ تیسری رائے بھی آئے گی کہ سیب چھیل کر فقط چھلکا کھاؤ اور مغز پھینک دو۔ انسانی رائے میں یہ تبدیلی اور ایسا

ردوبدل ایسی خامیاں اور لغزشیں واقع ہوتی ہیں ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ انسان اپنی عقل سے اور اپنے عمل سے سوچتا ہے اور کہتا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر بھی معصوم آپ کا عمل بھی معصوم نہ آپؐ کے عقیدے میں فرق نہ آپؐ کے عمل میں فرق۔ آپؐ میں نہ گمراہی ہے نہ ہی کسی قسم کی کمی ہے۔ آپ کی ذات گرامی پاک ہے آپ صحیح معنوں میں صحیح طریقے پر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا عمل آپ کی سوچ اور آپ کا فکر اللہ رب العزۃ کی طرف سے ہے۔ اللہ کی وحی جس طرح آتی ہے آپؐ اسی طرح سوچتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماحول کی بنیاد پر سوچتے یا آپ اپنی عقل سے عمل کرتے تو اس کا امکان ہو سکتا تھا کہ آپ کی سوچ میں بھی غلطی ہو آپ کے عمل میں بھی غلطی ہو مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس لئے کہ آپ کی سوچ اور آپ کا عمل دونوں من جانب اللہ ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے: وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ

عزیز دوستو! ہماری فکر اور ہمارا عقیدہ اس وحی سے ملا ہوا ہے تو وہ فکر وہ عقیدہ صحیح ہے ورنہ وہ فکر وہ عقیدہ غلط ہے جیسا کہ ہر دور میں ایسے بعض لوگ نکلتے آرہے ہیں جن میں یہ جرأت تو نہیں کہ وہ یوں کہہ دیں کہ ہم وحی کو نہیں مانتے ہیں لیکن وحی کو عقل کا لباس پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

بعض ایسے نکلے جیسا کہ افلاطون ہے اس نے کہہ دیا تھا۔

لاحاجۃ لنا الیٰ نبی قد ھذبنا نفوسنا

اس نے کہا کہ ہمارے لئے کسی نبی پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم نے اپنے آپ کو اپنی عقل کے ذریعہ مہذب بنالیا ہے اور بعضے وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن معنی کے اعتبار سے وحی ہے۔ الفاظ کے اعتبار سے نہیں۔ دیکھئے انہوں نے کہاں ڈنڈی ماری ہے اور کہاں سے فرار کا راستہ اختیار کیا ہے۔

ہمارے ہاں ڈاکٹر فضل الرحمٰن ہیں انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''پروفیسی ان اسلام **Prophecy In Islam**'' ہے اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ قرآن کا مفہوم و مطلب وحی ہے۔ الفاظ نبی کے ہیں۔ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ دیکھئے کیسا ظلم کیا ہے ظالم نے۔

فتنہ کہاں سے سر اٹھاتا ہے اور کہاں سے کہاں تک پہنچتا ہے۔

بعض نے کہا کہ اردو میں نماز پڑھی جا سکتی ہے الفاظ تو وحی کے نہیں قرآن کے معنی وحی ہیں معنی اردو میں بھی تو ادا کیے جا سکتے ہیں۔

اردو کی نماز والے کراچی کے اسٹیشن پر مل گئے۔ افغانستان کے سفیر جنرل یوسف بھی تھے۔ اردو کے نمازی صاحب نے کہا مولوی صاحب کا خیال ہے کہ اللہ میاں اردو سمجھتے نہیں۔

دراصل وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ مولوی اردو میں نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ میں نے کہا اللہ میاں اردو جانتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی سرکاری زبان عربی ہے۔ کہنے لگے وہ کیسے؟ میں نے کہا جس ملک میں بھی آپ جائیے وہاں اس ملک کی ایک سرکاری زبان ہوتی ہے۔ آج آپ کے ہاں سرکاری زبان مثلاً ہندی اردو ہے۔ دیکھئے کوئی منصف کسی ملک میں منصفی کے فرائض انجام دیتا ہو اور جاپانی زبان بھی جانتا ہو اور آپ بھی جاپانی زبان جانتے ہوں۔ منصف کے آگے آپ نے جاپانی زبان میں ایک عرضی پیش کی وہ منصف یہی کہے گا کہ میں جس ملک کا ملازم ہوں اس کی سرکاری زبان میں عرضی دیجئے اسی زبان کی عرضی قبول کی جائے گی۔ اس کے علاوہ دوسری زبان کو نہ آپ کے جاننے سے کچھ ہو گا نہ میرے جاننے سے کچھ ہو گا۔

میں نے ان سے کہا کہ اللہ میاں کی سرکاری زبان عربی ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو زبان عربی میں اتارا ہے یہ اللہ کا قانون ہے عربی میں۔ یہی سرکاری زبان ہے۔ وہ کہنے لگے کہ مولانا کو اردو میں نماز پڑھ کے سناؤ انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ اللہ اکبر کے معنی اللہ بہت بڑا ہے۔ کہا اس کے بعد تعوذ و تسمیہ وغیرہ کا ترجمہ اردو میں سنانے لگے پڑھتے پڑھتے ایاک نعبد پر پہنچے کہ اے اللہ ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں۔ میں نے کہا ذرا ٹھہریئے۔ اے اللہ کا ترجمہ کہاں سے کر دیا آپ نے۔ کہنے لگے یار تو نے غلطی کر دی انہوں نے کہا نہیں نہیں۔

میں نے کہا کہ عربی میں کوئی غلطی کر دے تو ہم بتا دیں لیکن اردو میں غلطی ہو تو کون کس کو بتائے۔ کل یہی جھگڑا ہو گا کہ کس نے غلطی کی ہے اور کس نے نہیں کی ہے۔

عزیز دوستو! یاد رکھیے کہ قرآن کا ایک ایک جملہ ایک ایک لفظ ایک ایک حرف اللہ کی وحی ہے۔ وحی کو بلا وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے ہیں۔

اور حالتوں میں اس وحی کے الفاظ کی تلاوت تک نہیں کر سکتے۔ غرض دنیا کے مستشرقین کی جانب سے اختلاف لفظوں پر ہوا ہے۔ سبحان اللہ امام فخر الدین رازیؒ نے اپنے زمانہ میں اسلام کی لاج رکھ لی۔ ان کے دور میں ایک بڑے عربی داں مستشرق عیسائی نے بادشاہ سے کہا کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس کتاب سے اچھی کتاب پیش کرسکتا ہوں۔

وہ کیسے؟ اس نے کہا تیئسویں پارے کی یہ آیت ہے۔ اتدعون بعلاً و تذرون احسن الخالقین (پارہ نمبر ۲۳ سورۃ الصفت ع نمبر ۸)

اس عیسائی نے کہا کہ یہ عبارت زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔ اس سے خوبصورت عبارت میں پیش کرسکتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اس طرح کی عبارت پیش کی۔

اتدعون بعلاً و تدعون احسن الخالقین۔

اس نے کہا دعو کے معنی ہیں پکارنے کے ودع کے معنی ہیں چھوڑنے کے وہ کہتا ہے ان دونوں مقامات میں حروف ایک ہی ہیں لیکن کچھ آگے پیچھے کر دینے پر معنی میں فرق آ جاتا ہے دیکھئے میں نے اللہ کی کتاب میں کیسا کمال پیدا کر دیا ہے نعوذ باللہ من ذلک۔ عیسائی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ۔

بلاتے ہو تم بتوں کو اور چھوڑتے ہو احسن الخالقین کو۔

اب علماء حیران امام فخر الدین آئے بھرے مجمع میں فرمایا کہ۔

یہ طے شدہ بات ہے کہ سب سے پہلے معنی کی خوبصورتی ہوتی ہے بعد میں الفاظ کی خوبصورتی کا خیال کیا جاتا ہے۔ الفاظ خوبصورت ہوں اور معنی خوبصورت نہ ہوں تو یہ ایسے ہی ہے جیسے بھینس کے گلے میں ہیروں کا ہار ڈال دیں۔

امام فخر الدین نے فرمایا لغت اٹھا کے دیکھو کہ ودع کے معنی چھوڑنے کے ہیں اور وذر کے معنی ہیں جان بوجھ کر چھوڑنے کے۔ اللہ تعالیٰ یہاں الزام دے رہے ہیں کہ بلاتے ہو تم بتوں کو اور جان بوجھ کر چھوڑتے ہو۔

احسن الخالقین کو بالآخر عیسائی کہنے لگا کہ قرآن نے جس لفظ کا استعمال کیا ہے وہی بہتر ہے۔

پھر ایک دوسرا فتنہ پیدا ہوا کہا گیا کہ ہم قرآن ہی قرآن مانیں گے آگے حدیث نہیں مانیں گے۔ حدیث یہ تو رسول اللہ کی پرائیویٹ زندگی ہے۔ ہم تو قرآن ہی قرآن قبول کریں گے۔

دوستو! قرآن پر بھی عمل کیسے ہوگا۔ جب تک کہ حدیث پاک اور عمل رسول آپ کے سامنے نہ ہو۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے ہاتھ قرآن دے دیا جائے جگہ جگہ قرآن میں نماز کا حکم دیا گیا ہے جب تک آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نہ ہو تو آپ کیسے نماز ادا کر سکتے ہیں آپ مجھے سے کہیں گے کہ نماز پڑھئے میں آپ سے کہوں گا کہ آپ نماز پڑھیے کسی کو نہیں معلوم کہ نماز کیسے ادا کی جائے یہاں بھی طریقہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل ہی سے تو معلوم ہوگا یہاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو دیکھنا ہوگا کہ جب رسول اللہ پر یہ آیت نازل ہوئی تھی تو آپؐ نے کس طرح نماز پڑھی تھی۔

بزرگو دوستو! اسلام پر عمل اسی وقت ہوگا جب کہ ہم قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ پر کار گر ہوں۔ ہم اور آپ سنی ہیں زیادہ تر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیعہ کے مدمقابل کو سنی کہتے ہی یہ غلط ہے۔ سنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اہل سنت والجماعت ہیں۔ اہل سنت والجماعت کون ہیں؟ اس کا کیا مطلب ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہمارے دین کی بنیاد قرآن ہے۔ سنت رسول ہے اور جماعت صحابہؓ ہے۔

اس راہ پر چلنے والوں کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں ویسے دنیا میں کئی فرقے پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ بنی اسرائیل میں بہتر فرقے تھے معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں کیا ہوگا۔

آپؐ نے فرمایا مسلمانوں میں تہتر فرقے ہوں گے سب کے سب دوزخ میں جائیں گے ہاں ایک فرقہ نجات پانے والا ہوگا۔ وہ فرقہ فرقہ ناجیہ ہوگا۔ وہ فرقہ حق پرستوں کا ہوگا۔

آپؐ نے فرمایا۔ ما انا علیہ و اصحابی جس پر میں اور میرے صحابہ چل رہے ہیں۔ یہ حق پرستوں کا فرقہ ہے۔

میرے دوستو! ہمارا ماخذ قرآن ہے۔ ہمارا ماخذ سنت رسول ہے۔ ہمارا ماخذ اجماع صحابہ ہے۔ سنت رسولؐ سے ہٹ کر کوئی بات کرتا ہے تو اس سے ہمارا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

اجماع صحابہؓ سے ہٹ کر کوئی بات کرتا ہے تو اس سے ہمارا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہؓ کی اتباع کی جائے انہیں مشعل راہ بنایا جائے انہیں تنقید کا نشانہ نہ بنایا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین

میری سنت شریعت ہے اور میرے خلفائے راشدین کی سنت شریعت ہے۔ آپؐ کے خلفائے راشدین کہ جن میں آپؐ کے چار خلفاء ہیں وہ ایک ضمیمہ ہیں۔ وہ ایک حصہ ہیں نبوت کا۔

خلفائے راشدین پر تنقید جائز نہیں۔

عزیز دوستو! یہ قرآن جو آپ کے اور ہمارے درمیان ہے الٓمٓ سے والناس پر ختم ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کی ترتیب کی سند آپ کے پاس کیا ہے۔ اس کا ذکر نہ تو قرآن میں ہے نہ سنت رسولؐ میں ہے۔ قرآن کی موجودہ ترتیب کا تعلق اجماع صحابہ سے ہے۔ صحابہ نے اس ترتیب پر اجماع کر لیا اور اس ترتیب کو قیامت تک کوئی بدل نہیں سکتا۔ اسی طرح جمعہ میں جو اذان دی جاتی ہے کیا یہ اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی۔ کیا یہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تھی؟ کیا یہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں تھی۔ یہ اذان حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع ہوئی۔ جب جمعہ کا خطبہ شروع ہوتا تو عام طور پر اطلاع دی جاتی تھی کہ چلو بھائی خطبہ ہو رہا ہے۔ آپ چلئے بھائی خطبہ ہو رہا ہے۔

اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا اور یہ کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے گھر گھر اطلاع دینا مشکل ہے۔ بہتر ہے کہ خطبہ سے پہلے ایک اور اذان دی جائے۔ تمام صحابہؓ نے اس پر اتفاق کر لیا۔ یہ اذان آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔

غرض میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہر نوعیت کے فتنے پیدا ہوئے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ بعض ایسے افراد ہیں کہ جن کو اجتہاد کا شوق ہے۔ بظاہر اجتہاد اچھی چیز تو ہے لیکن علامہ اقبال

نے اجتہاد سے باز آنے کے لئے کہا ہے۔ فرمایا

ز اجتہاد عالمان کم نظر   اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

جناب فضل الرحمٰن صاحب نے بھی ایسا اجتہاد کیا اور کہا کہ بیئر۔ شراب نہیں ہے۔ بیئر حلال ہے۔ اس زمانے کے وزیر قانون جناب قریشی صاحب اس اجتہاد سے پریشان ہو گئے اور ایک مجمع عام میں کہنے لگے کہ ہمیں ایسے اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے۔ فضل الرحمٰن تو یہودی ہیں جنہوں نے سود کو بھی حلال کہا۔ بہرحال ایسا اجتہاد جو قرآن و سنت کے خلاف ہو اجماع صحابہ کے خلاف ہو جس میں جماعت صحابہ کو نظر انداز کر دیا گیا ہو وہ اجتہاد قابل قبول نہ ہوگا۔ اگر ایسا اجتہاد جاری ہو جائے تو کیا ضمانت ہے کہ قرآن کی موجودہ ترتیب باقی رہے گی؟

کیا ضمانت ہے کہ جمعہ کی اذان باقی رہے گی؟

کیا ضمانت ہے کہ تراویح باقی رہیں گی؟

میرے دوستو! آپ سے میں کچھ نہ کہوں گا بس اتنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نجات پانے والا وہ فرقہ ہے جس پر میں قائم ہوں اور جس پر میرے صحابہ قائم ہیں۔

جس اجتہاد کا ماخذ قرآن ہو جس اجتہاد کا ماخذ سنت رسولؐ اور اجماع صحابہ ہو تو وہ اجتہاد سر آنکھوں پر وہ ہمارے لئے قابل قبول ہے لیکن اس کے بغیر کوئی اجتہاد کرتا ہے تو اس اجتہاد کو مسترد کر دیا جائے گا۔ کیا آج دین الٰہی موجود ہے؟

کیا آج ملا مبارک ناگوری موجود ہے؟ آگرہ کی یونیورسٹی میں ہی فرسودہ ندی فرسودند اکبر کے اشارے پر وہ تفسیر لکھتا تھا۔ کیا وہ آج موجود ہے؟

مولانا مناظر حسین گیلانی کی زبانی یہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا دو واسطوں سے شاگرد ہے۔ بڑا محقق تھا مگر محقق ہونے سے کیا ہوتا ہے جب تک وہ کسی اللہ والے کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکا ہو۔ تجربات کی روشنی میں ہم نے یہ محسوس کیا ہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا محقق کیوں نہ ہو وہ اگر کسی اللہ والے کا فیض یافتہ یا صحبت یافتہ نہ ہو تو ایسے فرد سے اسلام اور مسلمانوں کا نقصان ہی ہوا ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ علم کی خاصیت بلندی کی ہے جیسے آگ کی خاصیت بلندی کی ہے۔ کنوئیں میں آپ آگ جلائیے تو وہ اوپر کی طرف

ہی جائے گی۔ مٹی کی خاصیت پستی کی ہے اوپر سے آپ مٹی ڈالئے وہ نیچے ہی جائے گی۔

علم کی خاصیت بلندی کی ہے حضرت مدنیؒ نے سبق میں فرمایا کہ جو عالم علم کے حصول کے بعد کسی اللہ والے سے فیض حاصل نہ کرے اور وہ کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی نہ کرے تو ایسے فرد سے نقصان ہی پہنچتا ہے۔ ایسا شخص اپنے وقت کا مغرور ہوگا۔ ہاں ملا مبارک ناگوری کے شاگردوں میں سے ایک نیک صفت شاگرد ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ اپنے ہی مکان میں لکھی ہے۔ اس تاریخ میں انہوں نے اپنے استاد کے متعلق لکھا ہے۔

تو اے مرد سخن پیشہ ز بہر چند مستی دوں ز دین حق بماندستی بہ نیروئے سخن دانی

تیرے اندر بولنے کی اتنی طاقت ہے کہ اس طاقت سے تو حق کو باطل اور باطل کو حق بتلاتا ہے۔

آگے انہوں نے لکھا ہے۔

چہ سستی دیدی از سنت کہ رفتی سوئے بے دیناں

چہ تقصیر آمد از قرآن کہ گردی گرد الحانی

تجھے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا عیب نظر آیا کہ تو بے دینوں کی طرف چلا گیا۔ تجھے قرآن میں کون سا قصور نظر آیا کہ رکابی اور الحان کو اپنا مذہب بنالیا ہے۔

بہر حال میں آپ کے سامنے ایک معیار پیش کررہا ہوں کہ دین کی تشریح وہی معتبر ہے جس کا ماخذ قرآن سنت رسولؐ اور اجماع صحابہؓ ہو۔ ایسا اجتہاد جس میں جماعت صحابہؓ کو نظر انداز کردیا گیا ہو قول رسولؐ کو اور قرآن کے مفہوم کو بدل دیا گیا ہو وہ اجتہاد قابل قبول نہ ہوگا۔

میرے بزرگو! ایسے فتنے بہت سے آئے ہیں اور اپنی موت خود مرگئے۔ آپ حق پر ثابت رہیے اگر آپ حق پر ثابت رہیں گے تو انشاء اللہ کوئی فتنہ سر نہ اٹھائے گا۔ فتنے سر اٹھاتے ہیں اور اٹھا کر ختم بھی ہو جاتے ہیں۔

میری تقریر سے پہلے بڑے بڑے بزرگوں کے نام لئے گئے میں نے تو صرف انہیں دیکھا ہے اور اسی سے ہمیں معلوم ہوگیا کہ معیار حق کون سی شخصیت ہے۔ آج بڑے سے بڑا باطل پرست ہمارے سامنے کیوں نہ آجائے یا آج کتنا ہی بڑے سے بڑا صاحب قلم یا صاحب علم ہمارے سامنے کیوں نہ آجائے اس معیار کے موافق نہ ہونے پر وہ ہماری

نظروں میں جچی نہیں ہے۔

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام　　　بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

یہ اکابر اولیاء کہ جن کے نام آپ نے سنے ہیں ان سے ہماری نسبت حاصل ہے۔ ان کی اس نسبت سے حق پر چلنے کی توفیق ملی ہے۔ آپ حق پر ڈٹے رہیے دیکھئے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کے ساتھ ایک بستی میں جا رہے تھے۔ وہاں ایک لٹکی ہوئی نعش کو حضرت جنیدؒ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہیں۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بوسہ دیا۔ ساتھیوں نے کہا کہ یہ کسی ولی کی نعش نہیں ہے یہ تو ایک بڑے مجرم کی نعش ہے۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ ولی کی نعش سمجھ کر میں نے نہیں چوما ہے۔ اس نعش نے مجھے سبق دیا ہے۔ کیا سبق دیا ہے۔ فرمایا: یہ نعش مجھے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اے مجھے دیکھنے والے انسان مجھے دیکھ کہ میں کیسے باطل پر جما رہا۔ ایک بار میں نے چوری کی تو ہاتھ کٹا میں باز نہیں آیا تو پاؤں کٹا دوسرا ہاتھ کٹوا کر بھی میں نے دوسرا پاؤں کٹوا دیا لیکن میں چوری پر جما رہا۔ اے دیکھنے والے انسان دیکھ میں باطل پر کیسے جم کر رہا۔ کیا تو حق پر جم کر نہیں رہ سکتا۔

میرے دوستو! باطل تو جمنے کی چیز نہیں۔ حق جمنے کی چیز ہے۔ اس تقریر میں آپ کے سامنے میں نے ایک معیار آپ کو دیا ہے اسی میں ہدایت ہے۔ اور یہی ذریعہ نجات ہے۔

کہنا تو بہت چاہتا تھا لیکن آواز بیٹھی ہوئی ہے۔ اب میں معذرت خواہ ہوں۔

یار　　زندہ　　صحبت　　باقی

دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو حق پر جمنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه اللهم صل على سيدنا و مولانا محمد صلاة تنجينا بها من جميع الاهوال والآفات و تقضي لنا بها من جميع الحاجات و تطهرنا بها من جميع السيئات و ترفعنا بها اعلى الدرجات و تبلغنا بها اقصى الغايات من جميع الخيرات في الحيوة وبعد الممات انك على كل شئ قدير برحمتك يا ارحم الراحمين۔

اسلام میں
عورت کا مقام

خطاب نمبر ۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد! ارکان انجمن اور منتظمین مدرسہ نسواں قابل احترام معلمات مہمانان گرامی قدر و عزیز طالبات آج سے کافی دن پہلے آپ کے اس قصبہ میں مجھے حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تھی تو میں مدرسہ نسواں بھی حاضر ہوا تھا اس کی کارکردگی دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اپنے تاثرات کو معائنہ کی کتاب میں میں نے لکھا ہے۔

ویسے مدرسہ نسواں اور اس کی علمی سرپرستی کا تذکرہ بھی مختلف مقامات پر میں نے کیا ہے۔ آج اس بات پر بھی خوشی ہوئی کہ موتھہ افریقہ کی طالبات تعلیم کے لئے یہاں آئی ہیں۔ اس پر بھی مجھے مسرت ہوئی ہے کہ موتھہ افریقہ کے قابل احترام میرے دوست جن کے ہاں میرا قیام ہوتا ہے ان کی بھانجیاں بھی تعلیم کے سلسلہ میں آئی ہیں۔

آج پھر ایک کافی عرصہ کے بعد مجھے یہاں حاضری کا موقع ملا ہے۔

میں نے مدرسہ کی کارکردگی بچیوں کی دینی فہم ان کی صلاحیت اور قابلیت کا اندازہ لگایا دل سے ان حضرات کے لئے دعا نکلی جن کی جدوجہد پر یہ کار خیر شروع کیا گیا ہے جنہوں نے اس میں اپنا سرمایہ لگایا۔ جنہوں نے اپنی محنت اور اپنی لیاقت و قابلیت سے اس درسگاہ کو اس منزل تک پہنچایا۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس موقع پر چند باتیں پیش خدمت ہیں وہ یہ ہیں کہ اسلام کے دشمنوں نے دو طرح سے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ وہ دونوں باتیں بے بنیاد ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں عورت کی کوئی حیثیت اور اس کا کوئی مقام نہیں ہے۔ کہتے ہیں۔

عورت صرف ایک دلچسپی کا ذریعہ ہے بس اور وہ ایک کھلونا ہے کہتے ہیں۔

دوسری بات کہ جس سے اسلام کے دشمنوں نے اسلام کی مخالفت کی ہے وہ یہ کہ اسلام جہاد کے نام پر دوسروں کا خون بہاتا ہے دوسروں کا مال چھینتا ہے۔ اور لوٹ مار کی اجازت دیتا ہے۔ گویا جہاد کے نام پر قتل و غارت گری کو روا رکھتا ہے۔ اور عورت کے نام پر وہ تعیش یا اخلاقی تذلیل کو روا رکھتا ہے۔

حالانکہ ان دونوں میں سے ایک بات بھی اپنی سطح پر صحیح نہیں ہے۔

ان میں کسی ایک بات میں بھی صداقت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے عورت کے مقام کو اس قدر بلند کیا ہے کہ دنیا کا کوئی مذہب اتنا بلند مقام عورت کو نہیں دیتا ہے۔ اسلام کی نظر میں عورت کا مقام اس سے متعین ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لڑکی کی پیدائش کو رحمت قرار دیتے ہیں لڑکی کی پیدائش کے وقت کو جب رحمت کہا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی ساری زندگی کے اندر رحمتوں کا برکتوں کا اور سعادتوں کا سرچشمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

آپ غور کیجئے کہ اسلام کا آغاز کہاں سے ہوا غار حرا میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتے نے آ کر جب یہ کہا کہ

اقرا باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق

اس وقت حضور نبوت سے سرفراز ہوئے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ایمان لے آئی ہیں کہ جس پر سب کا اتفاق ہے وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ گویا اسلام کا آغاز ایک خاتون سے ہوا سب سے پہلے یہ سعادت حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو حاصل ہوئی۔

عملی طور پر دیکھا جائے تو قوموں کے انقلاب میں سب سے زیادہ موثر کن کردار مستورات اور خواتین کا ہوتا ہے اور یہی ان کے ذریعہ بنتی ہیں تو بھی بگڑ بھی جاتی ہیں گویا یہ انقلاب کا سرچشمہ ہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ انسانی معاشرہ میں انقلاب اور تبدیلی نقطۂ نظر اور کتاب سے کبھی نہیں آئی ہے۔ صرف کتابوں اور تجربات سے اعلیٰ درجے کے مسلمان بن سکتے ہیں یہ تصور غلط ہے۔

ایسا تصور انسانوں کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔

چونکہ انسان کا معلم کتاب نہیں بلکہ انسان کا معلم تو انسان ہے۔

کتاب تو بس ذریعہ تعلیم ہے۔

قرآن حکیم کتاب اللہ ہے جس میں اسلام کے بنیادی عقائد بیان کئے گئے ہیں لیکن قرآن کی تفسیر پڑھانے والا کوئی یہودی ہوگا تو طالب علم پر کتاب کا اثر نہیں ہوگا بلکہ اس پر اس معلم یہودی کا اثر ہوگا۔

پڑھانے والا اگر نصرانی ہو تو طالب علم پر قرآن کا اثر نہیں ہوگا اس پر تو اس معلم نصرانی کا اثر ہوگا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کا اصل معلم انسان ہے اور کتاب ذریعہ تعلیم ہے۔

جو لوگ یہ تصور کرتے ہوں کہ ہم کتابوں اور لٹریچر سے اعلیٰ درجے کے مسلمان بن سکتے ہیں تو یہ ان کی غلط فہمی ہوگی۔

حضرت سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ نوجوانوں کا حال یہ ہے کہ دین کے شوق میں کتابوں کا مطالعہ شروع کرتے ہیں اور اس میں جب دو چار قدم آگے بڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح تو بعد میں کرلیں گے لیکن پہلے اسلام کی اصلاح کریں گے۔

چلے تھے اپنی اصلاح کے لئے لیکن خود اسلام کی اصلاح کرنے لگے۔ بہرحال انسان کی زندگی میں قوموں کی زندگی میں انقلاب اور تبدیلی عورتوں کی طرف سے آتی ہے۔

حدیث میں ہے

فان الجنة تحت اقدام امہاتکم

جنت تمہاری ماؤں کے قدموں تلے ہے لیکن آپ نے کہیں یہ پڑھا ہوگا کہ جنت تمہارے باپوں کے قدموں تلے ہے۔ میری بچی جب یہ حدیث پڑھنے لگی تو کہنے لگی کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے اور بابا کے قدموں تلے چپل ہیں۔

بہرحال ماں کو مقام دیا گیا ہے ایسا اس لئے ہے کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ نہایت ہی کمزور ہوتا ہے۔ اسی لئے جب بچہ تھوڑے دن کا ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ صحن میں نہ لٹاؤ کہیں چیل نہ لے کر چلی جائے تو اولاد کی پرورش اور ان کی تربیت اچھی انسان بناتا۔ یہ کارنامہ تو باپ کا نہیں بلکہ یہ کارنامہ ماں کا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟

یہ بات آپ یاد رکھئے کہ انسان متاثر ہوتا ہے انس اور محبت سے۔ انسان عقل کے ذریعہ متاثر نہیں ہوسکتا ہے۔

مولانا عبدالباری ندوی حضرت تھانوی کی محفل میں بیٹھے ہیں۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی محفل اس طرح ہوتی کہ مولانا کے بائیں جانب حضرات مشائخ اور علماء ہوتے دائیں جانب اور سامنے عوام ہوتے تھے۔

حضرت تھانوی ایک مرتبہ ایک ایسا دقیق مضمون بیان کر رہے تھے کہ جس سے مجلس پر سناٹا طاری تھا۔ مولانا عبدالباری صاحب نے دیکھا کہ ان عام افراد کے چہروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پڑھے لکھے نہیں ہیں لیکن ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ مولانا ندوی نے سوال کیا حضرت یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ جو مضامین آپ بیان کر رہے ہیں وہ اس قدر دقیق ہیں کہ علماء حضرات بڑی مشکل سے سمجھ پا رہے ہیں مگر یہ عوام اس قدر متاثر ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ حضرت تھانوی نے فرمایا کہ آج آپ نے اپنی ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے۔

فرمایا کہ انسان متاثر ہوتا ہے محبت اور انس سے ان لوگوں کو مجھ سے محبت، عقیدت اور انس ہے اس انس و محبت سے میری مجلس میں یہ متاثر ہوتے ہیں کہ ان کے قلب میں ایسے اثرات ہوتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

میرے دوستو! آج ہر چیز کی تحقیق ہو رہی ہے لیکن اس کی تحقیق نہیں ہو رہی ہے کہ کس طرح حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی لاکھ انسانوں کو مسلمان بنایا جب کہ اس وقت وہاں کوئی شخص مسلمان نہیں تھا نہ پہنچنے کے لئے لوڈ اسپیکر نہیں اخبارات نہیں کسی طرح کے کوئی وسائل نہیں۔ مگر خواجہ صاحب نے لاکھوں کو مسلمان کیا لیکن تمام وسائل کے باوجود آج ہم کسی کچے مسلمان کو بھی پکا مسلمان نہیں بنا سکے۔ خواجہ صاحب نے اپنے اخلاق سے اپنے کردار سے انسانی اخوت اور محبت سے بے شمار افراد کو دائرہ اسلام میں داخل فرمایا۔

غرض انسان متاثر ہوتا ہے انس اور محبت سے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں میں بے حد محبت

رکھی ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ عورتوں میں نوّے فی صد محبت ہے اور مردوں میں دس فیصد محبت ہے۔
ایسا کیوں کیا گیا ہے؟ اس لئے کہ اس محبت سے آگے چل کر زندگی میں شوہر کا دل جیتنا ہے۔ اسی طرح اولاد کی تربیت اور پرورش کے اندر ایسی کٹھن منزلوں سے گزرنا ہوتا ہے کہ بغیر محبت کے وہ مرحلے طے نہیں کئے جا سکتے۔

اس لئے اللہ نے عورت کے دل کو سراپا محبت بنایا ہے۔

انگلینڈ میں میرے ایک دوست نے کہا کہ ایک انگریز خاتون آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتی ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے بلا لیجئے وہ خاتون آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ ہمارے اندر کس چیز کی کمی ہے کہ جس کی وجہ سے ہم مردوں کے دوش بدوش کام نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا اس میں کوئی شبہ تو نہیں ہے کہ بعض صلاحیتیں اللہ نے آپ میں ہم سے زیادہ رکھی ہیں مثلاً ایک عورت سولہ سال کی عمر میں ماں بن جاتی ہے شب و روز وہ بچے کی حفاظت کرتی ہے دوسرے سال وہ دو بچوں کی ماں بن جاتی ہے اور دونوں بچوں کی حفاظت کرتی ہے۔ عورت جس طرح اپنے بچوں کی نگرانی اور حفاظت کر سکتی ہے اس طرح مرد نہیں کر سکتا۔ مرد کے دل میں اولاد کی وہ لگن نہیں رہتی ہے جو لگن عورت کے دل میں رہتی ہے۔ اولاد کی تربیت اور حفاظت کا نظام عورت ہی انجام دے سکتی ہے۔

اولاد کو ٹھیک بنانے میں عورت جو کردار ادا کر سکتی ہے وہ کردار مرد ادا نہیں کر سکتا ہے۔

اسی طرح بعض ایسی صلاحیتیں خدا نے مردوں میں رکھی ہیں جو عورتوں میں نہیں ہیں اس کی صورت میں ایسا کام آپ خواتین سے لینا گویا آپ پر ظلم کرنا ہوگا۔ جیسے ایک مقام پر عورت کو منصف بنا دیا گیا اس کے آگے ایک قتل کا مقدمہ پیش کیا گیا قتل کی داستان سنائی گئی کہ پہلے قتل کیا گیا پھر اس کی آنکھیں نکالی گئیں پھر یہ ہوا وہ ہوا تو اس منصف عورت کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس موقع پر کہا گیا کہ بھائی چلو اب تو مقدمہ ختم ہو گیا۔ وہ کیسے اس لئے کہ قتل کی کارگزاری پر جو منصف اس قدر متاثر ہو جائے کہ رو دے تو وہ کیا فیصلہ کر سکتا ہے۔

میں نے کہا اللہ نے عورت کو سراپا محبت اس لئے بنایا ہے تاکہ وہ اولاد کی تربیت کا کام انجام دے۔

اور شوہر کی ذمہ داری پوری کرے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ عورت کے سینے میں دل نہیں پتھر کی سل ہے۔ اس کا دل تو سراپا محبت ہے اسی بنیاد پر تو اللہ نے عورتوں کو پردے کا حکم دیا ہے کیونکہ عورت ایک بارود کا ڈھیر ہے۔

اس میں محبت کے جذبات اس قدر سمو دیئے گئے ہیں کہ اگر کوئی غلط طریقے سے کسی عورت سے اپنے مصنوعی اور جعلی جذبات کا بھی اظہار کردے تو اس بارود کے ڈھیر میں شعلے اٹھنے لگیں گے کیونکہ یہ سراپا محبت ہے اس محبت کی وجہ سے غیر کے لئے اس کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے اس لئے عورتوں کو پردے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ غلط طریقے پر کوئی کسی کو استعمال نہ کرے۔ جیسا کہ بے پردگی کی بنیاد پر بعض عورتیں بھٹک جاتی ہیں ان حالات کی بناء پر بعض نوجوانوں نے کہہ دیا کہ عورتیں قابل اعتبار نہیں ہیں۔ عورتوں نے کہا نہیں ہم نہیں مرد ہی نا قابل اعتبار ہیں۔

بر عکس تو عورتوں کو نہیں مردوں کو کہنا چاہئے۔ عورتوں کا یہ بیان کہ مرد نا قابل اعتبار ہوتے ہیں ایک حد تک صحیح ہی ہے۔

حضرت اشرف علی تھانوی کا ارشاد ہے فرمایا کہ

مرد نا قابل اعتبار ہے عورت قابل اعتبار ہے

حضرت تھانوی نے اس کی کسوٹی یوں بیان کی ہے کہ شادی شدہ مرد بہت سے ایسے ملیں گے کہ جب وہ کسی حسین و جمیل خاتون کو دیکھیں گے تو ان کا دل یہ چاہے گا کہ اس سے میری شادی ہوئی ہوتی تو بہت اچھا ہوتا۔ مگر فرمایا کہ عورتوں کے قلوب اتنے پاکیزہ ہیں کہ اگر وہ اپنے سے زیادہ حسین مرد کو بھی دیکھیں اور بڑے سے بڑے دولت مند کو بھی دیکھیں تو ان کے دل میں وسوسہ کی حد تک بھی یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ یہ مرد میرا شوہر ہوتا تو اچھا ہوتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد نا قابل اعتبار ہے اور عورت قابل اعتبار ہے۔

بہر حال عورتوں کے حق میں پردے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اللہ نے عورت کے دل کو موم بنایا ہے اس سے اگر کوئی غلط فائدہ اٹھائے گا تو اس کا گھر اس کی زندگی اور اس کی آخرت برباد ہو جائے گی۔

اس لئے عورتوں کو پردے کے ذریعہ زر وپیش کے ساتھ رکھا گیا ہے۔

خیر میں یہ بات عرض کر رہا تھا کہ عورت امتوں کے انقلاب میں بہتر کردار ادا کر سکتی

ہے تو عورتوں کی تعلیم اور وہ بھی دینی تعلیم کا جو بندوبست کرتے ہیں تو میں یہ سمجھوں گا کہ انہوں نے ملت پر احسان کیا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کو بروئے کار لانے کے لئے یہ بہترین کوشش ہے۔ ایک خاتون اگر وہ کامل مسلمان ہے تو اس کی گود میں جتنے بچے پرورش پائیں گے تو وہ بھی سب کے سب کامل مسلمان ہی ہوں گے۔

ایک بات میں عرض کردیتا ہوں کہ نبی اور پیغمبر کے کمالات کسبی نہیں وہبی ہوتے ہیں۔ یہ کمالات انہیں من جانب اللہ عطا کئے جاتے ہیں۔

مگر ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ میں جو قوت خطابت ہے جو طاقت لسانی ہے جو قوت گویائی ہے وہ ہم میں سے کسی میں بھی نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا تمہیں معلوم بھی ہے کہ میں نے کس خاتون کا دودھ پیا ہے آپ نے فرمایا کہ خاندان بنو سعد کی ایک نیک خاتون کہ جس کا نام حلیمہ سعدیہ ہے میں نے اس کا دودھ پیا ہے۔ فرمایا کہ یہ اس دودھ کا اثر ہے کہ اللہ نے مجھ کو یہ کمالات عطا کئے ہیں۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ماں اگر نیک ہوگی تو وہ بھی نیک ہوگی کوئی ماں اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو تو دودھ کے قطرات کے ساتھ ساتھ اگر وہ دیندار ہے تو ایمان کا نور بھی بچے میں جائے گا۔ اگر وہ عورت بے دین ہے تو آپ سمجھ لیں کہ دودھ کے قطرات کے ساتھ بے دینی بھی اس میں جا رہی ہے۔ اس لئے جن حضرات نے عورتوں کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا ہے وہ قابل مبارکباد ہیں۔

اللہ سب مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا کرے کہ وہ جگہ جگہ اس قسم کے مدارس کا انتظام کریں۔

اور جو معلمات یہاں درس کی خدمات انجام دے رہی ہیں وہ سمجھیں کہ ہم یقیناً تبلیغ اسلام کی موثر کوشش کر رہی ہیں اور اس حدیث کو پیش نظر رکھیں کہ جس میں آپ نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا لیکن نبیوں کے کام اب میری امت سے لئے جائیں گے۔

ان چند کلمات کے ساتھ آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان کوششوں میں کامیابی عطا فرمائے۔

سبحٰن ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین
والحمد للہ رب العالمین

منشائے خداوندی

کی جستجو

خطاب نمبر ۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و الہ و اصحابہ اجمعین

امابعد: فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وسئلھم عن القریۃ التی کانت حاضرۃ البحر اذ یعدون فی السبت اذ تاتیھم حیتانھم یوم سبتھم شرعاً و یوم لا یسبتون لا تاتیھم کذلک نبلوھم بما کانوا یفسقون و اذ قالت امۃ منھم لم تعظون قوما اللہ مھلکھم او معذبھم عذاباً شدیداً قالوا معذرۃ الیٰ ربکم و لعلھم یتقون فلما نسوا ما ذکروا بہ انجینا الذین ینھون عن السوء و اخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانوا یفسقون (پ ۹ سورۃ الاعراف ع ۱۰)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العلمین۔

جناب قابل احترام مدیر جامعہ، اساتذۂ کرام، عزیز طلباء اور معزز سامعین۔

تعارف کے سلسلہ میں یہ بات آپ کے سامنے ابھی آئی کہ آج سے بیس پچیس سال پہلے بھی میں آپ کی درسگاہ میں حاضر ہوا تھا اور اس مرتبہ بھی آنا ہوا۔

اگرچہ آنا ہوا تھا دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ کے سلسلہ سے۔ ویزا تاخیر سے ملنے کی وجہ سے اجلاس میں شریک نہ ہو سکا۔ تاہم مدراس کے دوستوں کی خواہش تھی کہ میں

مدراس کا سفر کروں تو میں نے کہا کہ مدراس کا بھی سفر کر لیا جائے۔ آپ کے ہاں سے بھی کچھ ذمہ دار حضرات تشریف لے آئے انہوں نے یہاں کی دعوت دی۔ میں نے عذر بھی کیا کہ میری آواز بیٹھ گئی ہے گلے میں بھی کچھ تکلیف ہے بنا بریں میرے لئے یہ بات مشکل ہو گی کہ میں اپنے عزیز طلباء کو یا سامعین کو خطاب کروں۔

بہر حال ایسا تو ممکن نہیں کہ وہاں نہ جایا جائے لیکن کچھ بات یہ ہے کہ موچی کہیں بھی جائے اسے تو جوتے گانٹھنے ہی ہوتے ہیں۔ حاضری کے بعد آپ حضرات کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خیال ہوا کہ دین کی چند باتیں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔

سب سے پہلے میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے تعظیم و تکریم اور محبت کے ساتھ گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں جتنی بھی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا جائے لیکن کبھی انہیں غلط فہمی نہیں ہوتی ہے۔

لاکھوں کا مجمع بھی ہو تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تعظیم و تکریم یہ گرمجوشی میری ذات کے لئے میرے گوشت و پوست کے لئے نہیں ہے۔ یہ اصل میں محبت ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے دین سے اور ان کی شریعت سے۔

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی مشن کو ان کے دین کو اور ان کی شریعت کو ہمارے سامنے بیان کرتے ہیں اس لئے یہ جوق در جوق گرمجوشی کے ساتھ آتے ہیں۔

اصل میں یہ محبت دین حق کی ہے میری ذات سے نہیں ہے ایسے موقع پر غالب کا یہ شعر پڑھ دیا کرتا ہوں۔

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

دینی نسبت کی وجہ سے یہ احترام ہے جو در اصل دین حق کا احترام ہے۔ بزرگوں کی نصیحت ہے کہ عالم حامل دین ہے اور حامل شریعت ہے دین کی وجہ سے وہ قابل احترام ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ عدالتوں میں ایک دفعہ توہین عدالت کی ہوتی ہے وہ توہین عدالت کیا ہے۔ جج کے ساتھ آپ کا ایسا رویہ جس کی وجہ سے جج کی دیانت پر شبہ ہو اور اس کی وجہ سے قانون کا احترام دلوں سے نکل جائے یہ جرم ہے قانون کے احترام کے لئے اس

جج کا احترام بھی ضروری ہے ورنہ قانون کی عظمت باقی نہ رہے گی۔

حضرت تھانوی نے فرمایا اگر کوئی عالم آپ کی نظر میں قابل پیروی نہیں ہے قابل تکریم نہیں ہے اور وہ آپ کی نظر میں غلط ہے اس کے باوجود بھی کسی عالم کی بے حرمتی نہیں کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ قرآن کریم اگر اتفاق سے غلط شائع ہو جائے تو ایسا قرآن قابل تلاوت تو ہے نہیں لیکن اسے ٹھوکریں مارنی چاہئے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو دلوں سے اصل قرآن کی عظمت بھی نکل جائے گی۔ ایسے ہی اہل علم کا معاملہ ہے۔

بہرحال آپ کا میں مشکور ہوں کہ آپ نے گرم جوشی سے استقبال کیا۔

اس خطاب میں آپ کو ایک مختصر سا قصہ سنانا چاہتا ہوں۔ قصہ اس لئے میں نے کہا کہ اللہ کی کتاب قرآن حکیم میں قوموں کے واقعات اور ان کے قصے موجود ہیں۔ قرآن کریم کے مضامین کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ جزا و سزا مناظر قیامت اور جنت و جہنم کا ہے تقریباً یہ دس پاروں کا ہے۔

دوسرا حصہ واقعات اور قصوں کا ہے تقریباً اس کے بھی دس پارے ہیں۔ جن میں حضرات انبیاء کرام کے حالات خاصان خدا کے واقعات اللہ کے مقبول بندوں کے قصے اور ان کے قصے جو خدا کی نظروں میں نامقبول تھے اور ان شخصیتوں کے بھی واقعات جن کو ہلاک کر دیا گیا۔

اسی طرح قرآن کا ایک حصہ وہ ہے جس میں حلال و حرام جائز و ناجائز کے احکام ہیں اس سے آپ ایک نتیجہ نکالئے کہ قرآن کے ایک ثلث پر عمل کرنے کے لئے قرآن کے دو ثلث کا اہتمام ضروری ہے۔ اگر پاداش عمل کے روپ میں جزاء اور سزا کا تذکرہ نہ ہو تو دنیا میں کوئی عمل کرنے پر آمادہ نہ ہوگا۔ آپ کو اگر یہ معلوم ہو کہ محنت کریں یا نہ کریں کوئی اثر نہ ہوگا امتحان پر تو آپ کاہے کو جائیں گے۔ اس کے لئے کیوں محنت کریں گے آپ محنت جب ہی کریں گے۔ جب آپ کو معلوم ہو جائے کہ محنت کریں گے۔ تو مستقبل روشن ہوگا۔

اسی طرح زبانی تفہیم اتنی موثر نہیں ہوتی جس قدر کہ حکایات اور واقعات موثر ہو سکتے ہیں۔

آپ کو نہیں معلوم کہ لڑنے کا کیا انجام ہے آپ سے یہ کہا گیا کہ لڑنا برا ہے اس کا نتیجہ خراب ہوگا پھر آپ کو ایک حکایت سناؤں کہ دو شیر تھے جنگل میں دونوں آپس میں

لڑتے تھے لڑتے لڑتے ایک مرتبہ ایک شیر بھاگا دوسرا بھی اس کے پیچھے بھاگا پہلے شیر نے سمندر میں چھلانگ ماردی تو دوسرے نے بھی چھلانگ لگادی دونوں مرگئے۔

چونکہ قصے اور واقعات موثر ہوتے ہیں اس لئے قرآن کریم میں واقعات اور قصے بھی موجود ہیں لیکن قرآن قصے اور کہانیوں کی کتاب نہیں ہے اسی لئے اس میں جو واقعات ہیں وہ ترتیب سے نہیں ہیں۔

ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ جو نبی سے پہلے آئے ان کا واقعہ پہلے ہو اور بعد میں دوسرے نبی کا قصہ ہو اسی طرح مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا پہلا قصہ پہلے ہو بعد کا قصہ بعد میں ہو قرآن میں اس طرح کی ترتیب نہیں ہے چونکہ قرآن کا موضوع صرف عبرت اور سبق آموز ہے اس لئے جہاں جس واقعہ کی ضرورت ہوئی وہاں اس واقعہ کو نقل کر دیا گیا اس لئے کہ واقعات سے بات خوب دل میں چپکتی ہے۔ بہرحال آپ کے سامنے مختصر سا واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سرزمین عراق کے رہنے والے ہیں عراق میں ایک قصبہ ہے عود۔ یہ ان کی پیدائش کی جگہ ہے حضرت ابراہیمؑ اپنے ماں باپ سے قوم سے اور نمرود سے مقابلہ کر کے اتمام حجت کر چکے تو زمین عراق چھوڑ کر چلے گئے اس کے بعد آپ کا نکاح حضرت سارہ سے ہوا چونکہ ان سے اولاد نہیں تھی اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے دوسرا نکاح حضرت ہاجرہؓ سے فرمایا۔

حضرت ہاجرہؓ کے سلسلے میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ باندی تھی یہ بات صحیح نہیں ہے۔

یہود اعتراض کرتے ہیں کہ آپ کے پیغمبر اسلام تمام نبیوں کے سردار ہیں حالانکہ ان کے نسب میں یہ خرابی ہے کہ ان کی ماؤں میں ایک ماں باندی ہے اور ہمارے نبی اور پیغمبر سب کے سب اعلیٰ نسب کے ہیں۔

یہودیوں کا حضورؐ پر اعتراض سراسر غلط ہے اس وجہ سے بھی غلط ہے کہ ایک روایت کے موافق قرآن میں اس کی تصریح ہے۔ قرآن کی ایک آیت کا حصہ ہے۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم (پ۱۱ سورۂ توبہ ع۵) کی آیت میں انفسکم ہے ایک روایت کے موافق انفسکم میں ف کو زبر کے ساتھ پڑھا جاتا

ہے ایسی صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ رسول آئے اس خاندان میں جو
بنی نوع انسان میں سب سے اعلیٰ اور سب سے عمدہ وارفع ہے۔ یہاں آپ
کے نسب کا اظہار ہے۔ اگر آپ اس روایت سے تلاوت کریں

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہودیوں کا اعتراض صحیح نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام مصر کی شہزادی تھیں۔ ان کا نسب اتنا اونچا تھا کہ ان کے سب کا اہم پلہ نہ ملنے پر انہوں نے شادی نہ کی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو ان سے نکاح کر لیا۔

حضرت ہاجرہؓ کو اللہ نے ایک فرزند عطا کیا اس لئے کہ حضرت ابراہیمؑ رب ھب لی من الصالحین کی دعا فرما چکے ہیں کہ اے اللہ فرزند صالح عطا فرما!

حضرت ہاجرہؓ کے شکم سے اللہ نے جب فرزند صالح عطا کیا تو فرشتے نے آ کر ان سے کہا کہ آپ ان کا نام شمائیل رکھیں۔ ئیل کے معنی اللہ۔ شما کے معنی منظور کیا گیا۔ یعنی جس فرزند کے لئے دعا کی گئی تھی اللہ نے اسے منظور کر لیا۔ جیسے پنجاب میں اللہ دتا منظور الٰہی مقبول الٰہی او ران جیسے نام رکھے جاتے ہیں۔

حضرت ہاجرہؓ نے بتایا کہ فرشتے نے مجھے یہ بشارت دی کہ اس بچے کا نام شمائیل رکھا جائے یہی شمائیل بعد میں اسماعیل بن گیا اور اسی کو اہل عرب استعمال کرنے لگے۔ دریکا ماہر اللغت کا ہے اور یہ بھی بڑا اچھا فن ہے کہ پہلے یہ لفظ کیا تھا اور بعد میں استعمال ہوتے ہوتے کیا ہو گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ ابراہیم بھی اصل میں اب رحیم تھا۔ مشفق باپ۔ یہی بعد میں ابراہیم بن گیا۔

کچھ عرصہ بعد حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہؓ کو اور اپنے فرزند کو اللہ کے حکم سے خانہ کعبہ میں آباد کیا۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کو جب چھوڑ آئے تو ادھر اللہ نے حضرت سارہؓ کو بھی فرزند عطا کیا اور ان کا نام اسحاق رکھا گیا ایک ماں کے فرزند کا نام اسمٰعیلؑ دوسری ماں کے فرزند کا نام اسحاقؑ۔

حضرت ابراہیمؑ نے دوسرے صاحبزادے کو بیت المقدس کے قریب فلسطین میں آباد کیا اور ایک بیٹے کو بیت اللہ کے قریب آباد کیا گویا ایک بیٹے کو ایک حرم کے قریب اور

ایک بیٹے کو دوسرے حرم کے قریب آباد کیا یہ دونوں حرم حضرت آدم علیہ السلام کے بنائے ہوئے ہیں بنائے اول کے اعتبار سے۔

بہر حال حضرت اسحاق وہاں آباد ہو گئے حضرت اسحاقؑ کو اللہ نے دو بیٹے عطا کئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ دونوں لڑکے جڑواں پیدا ہوئے۔

ایک کا نام یوسوع دوسرے کا نام اسرائیل۔ اسراء کے معنی عبد ئیل کے معنی اللہ یعنی عبداللہ اوران کا ایک نام یعقوب بھی تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ اصل میں یعقوب ان کا نام نہیں تھا بلکہ یعقوب ان کا لقب تھا کیونکہ عقب کے معنی آتے ہیں بعد کے چونکہ یہ دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے پہلے یوسوع بعد میں اسرائیل اس لئے بعد کی پیدائش کی وجہ سے ان کو یعقوب کہہ دیا گیا۔

قرآن کریم میں جہاں اللہ نے ان کی قوم سے خطاب کیا ہے وہاں یا بنی یعقوب نہیں کہا ہے بلکہ یا بنی اسرائیل کہا ہے ہاں یعقوب کا نام قرآن نے ضرور ذکر کیا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ کنعان چلے گئے۔ یہاں یعقوب علیہ السلام کو اللہ نے بارہ بیٹے عطا کئے۔ ان میں سے ایک کا نام یوسف بھی ہے۔ شاعروں کی زبان میں آپ نے سنا ہے یوسف کنعان' وہ کنعان یہی کنعان ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا تو حضرت عیسیٰؑ نے فلسطین کے علاقے میں ناصرہ نامی بستی میں قیام کیا۔ اسی وجہ سے ان پر ایمان لے آنے والوں کو نصرانی کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کوہ زیتون پر راتوں میں عبادت کے لئے جاتے تھے تو عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق یہودیوں نے انہیں وہاں اغوا کیا اوران کو پھانسی دیدی لیکن یہ ہمارا عقیدہ نہیں ہے۔ بہر حال ان کے عقیدے کے موافق جب یہود نے انہیں اغوا کیا اور پھانسی دیدی تو ان عیسائیوں نے انہیں اتنا مارا اتنا مارا کہ بیت المقدس خون سے بھر گیا اس کے بعد یہود ادھر ادھر پھیل گئے۔ بعض خاندان مدینہ میں آ کر بس گئے۔ مگر مدینہ ان کا وطن نہیں تھا اس زمانے میں بعض یہودیوں نے وہاں رہنے کی اجازت لے لی یہ کہہ کر کہ کھجوروں کے علاقے میں نبی آخر آئیں گے جب وہ آئیں گے تو ہم ان پر ایمان لے آئیں گے۔ لیکن

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو ان یہودیوں نے سرکشی کی جس کی وجہ سے انہیں مدینہ سے باہر کردیا گیا کوئی یہودی یہ نہ سمجھے کہ مدینہ ان کا وطن تھا کبھی نہیں تھا تاریخ اٹھا کر دیکھئے مدینہ ان کا وطن نہیں تھا۔

بہر حال کوئی کہیں آباد کوئی کہیں آباد اب آگے سنئے ایک مقام ہے ساحل سمندر اس بستی کا نام ایلاء نقل کیا گیا ہے اس میں یہود آکر آباد ہو گئے یہاں ایک واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا وسئلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر اذيعدون في السبت اذ تاتيهم حيتانهم يوم سبتهم شرعاً و يوم لا يسبتون لاتاتيهم كذالك نبلوهم بما كانوا يفسقون. (پارہ نمبر ۹ سورۃ الاعراف ع ۱۱) آپ ان یہود سے پوچھئے کہ اس بستی کا کیا ہوا جو ساحل سمندر کے قریب تھی جس کا نام ایلاء ہے ان پر کیا گزری پوچھنے کا مقصد پوچھنا نہیں ہے اس سے عبرت مقصود ہے کہ ارے ظالمو کچھ سبق حاصل کرو جیسے کسی طالب علم کو سزا ملی ہو اور اس کی کمر پر بید و دروں کے نشانات ہوں آپ دوسرے طالب علم سے کہتے ہیں کہ اس کی کمر سے پوچھو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی کمر جواب دے گی۔

مقصد یہ ہوتا ہے کہ دیکھو اس کا کیا انجام ہوا کس حرکت سے یہ سزا ملی تو یہ قوم ساحل سمندر پر آباد تھی۔ سمندر کے قریب رہنے والوں کو مچھلی کا شوق ہوتا ہی ہے یہ قوم بھی اس کی شائق تھی لیکن ان کے لئے ہفتے کے دن شکار کرنا حرام تھا مچھلیاں اتنا شعور رکھتی تھیں کہ ان کو ہفتے کے دن کوئی ڈوری لے کر پکڑنے والا نہیں ہوگا تو وہ پانی کی سطح پر آجاتیں۔ اس لئے کہ اس دن ان کو کوئی خوف نہیں ہوتا تھا۔ اور جب ہفتہ گزر جاتا تو پانی کی تہہ میں چلی جاتیں۔ مچھلی کا شوق رکھنے والے اور ساحل پر رہنے والے دیکھتے تھے کہ مچھلیاں پانی کی سطح پر آئی ہوئی ہیں مگر کیا کریں کہ مولویوں نے حرام کر دیا ہے۔ جوش ملیح آبادی نے کہا ہے اگرچہ میں اسے پسند نہیں کرتا ہوں بس شاعری کے نقطہ نظر سے عرض کرتا ہوں اس نے کہا ہے۔

کچھ زہر نہ تھی شراب انگور   ہائے کیا چیز حرام ہو گئی ہے

مچھلیاں پانی کی سطح پر تیر رہی ہیں جی للچا رہا ہے مگر صاحب شریعت کہتے ہیں خبردار شکار جائز نہیں ہے اب وہ منزل آتی ہے جہاں انسان چور دروازے سے اپنے مذہب کو

چھوڑ دیتا ہے میں یہی بتانا چاہتا تھا۔

انھوں نے کہا مچھلیاں پکڑنے کی اجازت نہیں ہے ٹھیک ہے لیکن انھوں نے وہاں بڑے بڑے گڑھے کھود دیئے اور جب ہفتے کے دن مچھلیاں پانی کی سطح پر آجاتی تھیں تو جلدی سے گڑھے کھود کر سمندر کا پانی اس میں لے لیتے اور وہ ساری مچھلیاں اس میں جمع ہوجاتی تھیں اور وہ یہ کہتے کہ ہمیں تو غنیمت ہو گیا کہ مچھلیاں مل گئیں باقی آج ہفتہ ہے آج نہیں کل آ کے پکڑ لیں گے۔

ارے ظالمو تم نے تو آج ہی پکڑ لیا ہے۔

اللہ کا خوف رکھنے والوں نے کہا کہ دیکھو قانون شریعت کی خلاف ورزی کا انجام اچھا نہیں ہوا کرتا۔ ان کی قوم نے بھی غالباً یہی جواب دیا ہوگا جیسے آج کل کہتے ہیں کہ دیکھو قرآن میں یوں لکھا ہے۔ قوم نے کہا کہ آپ ہمیں شکار کھیلنے سے منع کرتے ہیں وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ کہاں لکھا ہے تمہاری کتاب میں کہ گڑھے کھودنا بھی حرام ہے۔ ہم تو گڑھے کھود رہے ہیں مچھلیاں تھوڑے ہی پکڑ رہے ہیں۔ یہ ہیں تاویلات۔ میں یہ بات اس لئے عرض کر رہا تھا کہ ہدایت کا راز اللہ کے منشاء پر عمل کرنے میں ہے جب تک یہ بات آپ کے دل میں ہے جستجو رہے گی کہ منشائے الٰہی کیا ہے اور رسول کا منشاء کیا ہے۔

آپ ہدایت سے سرفراز ہوں گے۔

لیکن اگر آپ یہ کریں کہ خدا کا منشاء کیا ہے کیا نہیں ہے لیکن میں اس میں اپنا منشا ڈال دوں۔ رسول کا منشاء کیا ہے کیا نہیں ہے لیکن میں اس میں اپنا منشاء ڈال دوں تو یہ ضلالت ہی ضلالت ہوگی۔

میرے دوستو! یاد رکھئے خدا کی کتاب میں اپنا منشاء تلاش نہ کریں خدا کی کتاب میں خدا کا منشاء تلاش کریں یہی ہدایت ہے جو لوگ وحی الٰہی سے جان چھڑاتے ہیں وہ کسی نہ کسی طریقے سے وحی کو انسان کی عقل کے تابع کر دیتے ہیں اور جب وہ عقل انسانی کے تابع کر دیتے ہیں تو آپ کو معلوم ہے کہ کیا ہوگا اقبال نے صحیح کہا ہے۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم

عشق کو رنگ بدلنا نہیں آتا ہے۔ عقل رنگ بدل سکتی ہے عقل بہروپیا ہے چونکہ عقل

جیسی ہوگی ولی کی عقل ویسی ہوگی تو آپ کی عقل تو آپ ہوگی عقل کا کام یہ ہے کہ اگر آپ یہ کہیں کہ میں آج فلاں آدمی کو قتل کرنا چاہتا ہوں تو عقل کہے گی جی حضور میں آپ کو مشورہ دیتی ہوں اور آپ کو راہ بتاتی ہوں وہ کہتی ہے کہ قتل کی کامیابی کا راستہ یہ ہے کہ آپ وہ کریں آپ یہ کریں۔

میرے دوستو! عقل مصاحب ہے جیسا بادشاہ ہوگا ویسے ہی مصاحب ہوگا۔ ایک شہزادہ صاحب اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے شیخی مار رہے تھے کہہ رہے تھے کہ میں شکار کو گیا میں نے یوں گولی چلائی کہ وہاں ہرنوں کی ڈار تھی میں نے ایک ہرنی کو گولی ماری جو سر توڑ کے کھری پھوڑ کے نکل گئی۔ مجلس کے سارے لوگ کہنے لگے واہ صاحب واہ صاحب۔

حضور آپ نے اعلیٰ طریقے پر گولی لگائی لیکن اس مجلس میں اپوزیشن آدمی بھی تھا اس نے کھڑے ہوکر یہ کہا حضور آپ نے یہ کیا فرمایا کہ گولی سر توڑ کے کھری پھوڑ کے نکل گئی۔ حضور سر تو اوپر رہتا ہے اور کھری زمین پہ رہتی ہے۔ آپ نے ایسی گولی کیسے لگائی جو سر توڑ کے کھری پھوڑ کے نکل گئی۔ شہزادہ صاحب کی لیاقت تو ختم ہوگئی۔ مصاحب اٹھا عقل مصاحب ہے۔ مصاحب اٹھا اور کہا حضور آپ نے بالکل صحیح فرمایا کہ گولی سر توڑ کے کھری پھوڑ کے نکل گئی۔ کیونکہ حضور آپ نے گولی جب ماری تھی تو وہ ہرن اپنے پاؤں سے اپنا سر کھجا رہا تھا آپ نے گولی ماری تو وہ سر توڑ کر کھری پھوڑ کے نکل گئی اب آپ سمجھ گئے کہ عقل کیا ہے۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے — عشق بیچارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم

عشق کو رنگ بدلنا نہیں آتا ہے۔ نتیجہ کیا ہوا۔ لوگوں نے نصیحت کی نصیحت نہیں مانی۔ دوسری جماعت آئی اور انہوں نے بھی نصیحت کی کیوں؟ چاہے کوئی دین کی آخری منزل میں پہنچ کیوں نہ جائے تب بھی ہمارا کام تو نصیحت کا ہے۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں — مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

میرا کام تو یہی ہے کہ میں اللہ کے کلمہ کو بلند کروں انہوں نے نصیحت کی پہلا گروہ چلا گیا دوسروں نے نصیحت کی تو پہلا گروہ آیا اور کہا فرمایا گیا۔

وإذ قالت أمة منهم لم تعظون قوما الله مهلكهم أو معذبهم عذابا شديدا۔

اچھا اب آپ انہیں نصیحت کرنے آئے ہیں دیکھئے اس قوم پر عذاب آنے والا ہے اب انہیں آپ نصیحت کیوں کر رہے ہیں۔ قالوا معذرۃ الی ربکم انہوں نے کہا ہم اس غلط فہمی میں نہیں ہیں کہ ہم معاشرہ بدل دیں گے لوگوں کے دل تبدیل کر دیں گے لوگوں کے دلوں پر اثر ہی نہیں ہوتا ہے اور جو سنتے ہیں وہ دامن جھاڑ کے اٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔

آج کل تو سارا الزام دوسروں پر ڈال دیا جاتا ہے کہتے ہیں کہ ابھی وہ مولوی صاحب آئے تھے نصیحت کے لئے لیکن بات یہ ہے کہ ان کے سینے میں خود ہی گرمی نہیں ہے جب ان کے ہی سینے میں گرمی نہیں ہے تو ہم پر اثر کہاں سے ہوگا۔

لیکن مولوی صاحب تو ہمارے سامنے ہی پر الزام نہیں ڈالتے۔

میرے دوستو! کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ماچس خراب ہوتی ہے اور جب ماچس خراب ہو تو آگ لگے کیسے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ماچس اچھی ہوتی ہے مگر لکڑیاں دامن کی ہوتی ہیں جن پر پہلے ہی سے بہت سا پانی ڈال دیا گیا ہے۔ یہ لکڑیاں آگ ہی نہیں پکڑتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ماچس بھی خراب ہو سکتی ہے اور کبھی لکڑیاں بھی خراب ہو سکتی ہیں۔ خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انہوں نے کہا ہم کسی غلط فہمی میں نہیں ہیں فرمایا۔

قالوا معذرۃ الیٰ ربکم

انہوں نے کہا کہ ہم تبلیغ اس لئے کر رہے ہیں کہ کل اللہ تعالیٰ یوں کہے کہ تمہارے سامنے ہماری بغاوت ہو رہی تھی تو تم نے کیا کیا تو ہم یہ کہہ دیں گے کہ اے اللہ ان پر ہماری بات کا کچھ اثر ہی نہیں ہوتا تھا لیکن ہم نے تبلیغ اس لئے جاری رکھی کہ ہم یہ ظاہر کر دیں اور یہ اعلان کر دیں کہ اے اللہ ہم ان باغیوں کے ساتھ نہیں ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے تو کبھی کبھی تبلیغ کا منشاء صرف یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ ہم گناہگاروں اور باغیوں کے ساتھ نہیں ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ولعلھم یتقون.

اور بھائی کبھی کبھی وقت بھی آتا ہے کہ کل ایک بات میں نے آپ سے کہی تھی تو آپ پر اس کا اثر نہیں ہوا آج ایک بات میں نے کہی تو آپ نے اسے قبول کر لیا مبلغ کا کام تو اصل میں چنگاری کے اوپر سے راکھ ہٹانا ہے اور اگر وہ چنگاری بجھ گئی ہے تو کوئی مبلغ رنج

میں اس کو پیدا نہیں کر سکتا اور جب چنگاری بجھ جاتی ہے تو قرآن کی زبان میں اس طرح اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ فرمایا کہ

انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء

(پارہ نمبر ۲۰ سورہ قصص ع ۹) اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ختم اللہ علیٰ قلوبھم

اگر چنگاری ہے تو مبلغ کا کام تو صرف اتنا ہے کہ وہ چنگاری کے اوپر سے راکھ ہٹا دے۔

خاندان شاہ ولی اللہ کی تاریخ اگر آپ نے پڑھی ہوگی تو معلوم ہوگا کہ ضلع مظفر نگر میں پھلت نامی ایک قصبہ ہے اس زمانے میں ریل گاڑی نہیں تھی لوگ بیل گاڑی میں سفر کرتے تھے ایک ہندو ایک مسلمان بیل گاڑی میں بیٹھ گئے وہ زمانہ مذہب پسندی کا تھا۔ دونوں نے بیٹھ کے مذہب پر بات شروع کر دی۔ ہندو نے کہا بھائی تمہارے ان مولویوں نے کیا گڑبڑ پھیلا رکھی ہے کہ کسی کو مشرک کہتے ہیں کسی کو کافر کہتے ہیں ارے بھائی بات یہ ہے کہ جس خدا کی بندگی تم کرتے ہو اسی خدا کی ہم بھی بندگی کرتے ہیں فرق تو اتنا ہے کہ ہم اسے رام کہتے ہیں اور تم اسے رحیم کہتے ہو باقی بات تو ایک ہی ہے۔

مگر اس زمانے کا مسلمان آج کے تعلیم یافتہ مسلمان سے اچھا تھا اس نے کہا نہیں صاحب ایسی بات نہیں یہ غلط بات ہے۔

اس لئے کہ تمہارے رام کا تصور اور ہے ہمارے ہاں کے خدا کا تصور اور ہے۔ تمہارے ہاں رام کا تصور یہ ہے کہ اس نے زمین و آسمان بنا دیئے پھر وہ ریٹائرڈ ہو گئے۔ اختیارات دیوتوں کو دے دیئے اللہ میاں کے ہاتھ کچھ نہیں۔ ہمارے ہاں رحیم کا تصور یہ ہے کہ

ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر

اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تمہارا خدا اپاہج ہے ہمارا خدا اپاہج نہیں۔ ہندو نے کہا میں ایسا ہی سمجھتا ہوں اس مسلمان نے کہا اگر تم ایسے ہی سمجھتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ۔ کہنے لگا وہ بات تو آپ نے ٹھیک کہی لیکن میرے دل میں ایک شبہ ہے وہ شبہ یہ ہے کہ اللہ میاں خود بھی مسلمان ہیں یا ہندو۔

اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ خدا خود بھی مسلمان ہے تو میں مع خاندان کے اسلام قبول کرلوں۔

مسلمان نے کہا بھائی یہ تو میرے لئے مشکل ہے کہ اللہ میاں سے کلمہ پڑھواؤں اور تمہیں سناؤں اور بتاؤں کہ خدا مسلمان ہے ہم جا رہے ہیں دہلی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی دہلی میں رہتے ہیں۔ ہم ان کے ہاں چلیں گے۔

اب یہ راستہ بھر دعا کرتے چلے کہ اے اللہ تیرے گھر کے اسے تیرے دروازے پر لایا ہوں اب تو اسے ایمان کی دولت عطا فرما۔

یہ دونوں آئے حضرت شاہ صاحب کے پاس حضرت شاہ صاحب نے اسے چمکارا پیار کیا اور فرمایا کہ بھائی تم اسلام قبول کرلو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ خدا مسلمان ہے ہندو نہیں حضرت شاہ صاحب نے کہا دیکھو خدا اپنے قرآن میں کہتا ہے۔

ان تذبحوا بقرۃ

(گائے کو ذبح کرو) پارہ تیسرا سورۂ بقرہ ع ۸) معلوم ہوا کہ خدا بڑا پکا مسلمان ہے۔ اگر ہندو ہوتا تو کہتا کہ بالکل ذبح نہ کرو صاحب وہ حیران رہ گیا آپ تو پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ حقیقت میں یہ کوئی دلیل تو ہے نہیں لیکن ہدایت کا وقت آ چکا تھا حیران ہو کر وہ کہنے لگا کہ واقعی آپ نے خوب سمجھایا واقعی آپ نے خوب سمجھایا اور

اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللہ کہا

میرے دوستو! وقت ہدایت کا آ جاتا ہے تو ہمیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ ذریعہ بنا دیتے ہیں خیر میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ جیسا کہ ہو یہود قوم جو ایلہ میں آباد تھی انہوں نے گڑھے کھودے کہ یا شعار بنایا تھا گڑھے کھودتے تھے اور ہفتہ کو گڑھے میں پانی لے آتے تھے۔

ایلہ کی اکثریت اس مرض میں مبتلا تھی اور یہ یاد رکھئے کہ اللہ کے ہاں پاداش عمل کے لئے اور جزا و سزا کے لئے دونوں کی گنتی نہیں ہوتی ہے اسلام میں اکثریت و اقلیت کا کوئی سوال نہیں ہے اسلام کا فیصلہ قوت دلیل پر ہوتا ہے۔ قوت رائے پر ہوتا ہے کثرت رائے پر نہیں ہوتا ہے مثلاً قرآن کی ایک آیت ہے اس کا ایک منشاء ہے سارے کے سارے اس

کے خلاف سمجھیں اور اپنے منشاء پر عمل کریں اس سے کیا ہوگا کبریٰ رہائی بھی ان لیجئے۔

ساری دنیا آپ کی حامی سہی　　ہر قدم پر مجھ کو ناکامی سہی
نیک نام اسلام میں رکھے خدا　　کفر کے حلقے میں بدنامی سہی

ایلاء میں چند افراد تھے جو اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے لیکن ان کی اکثریت نافرمان۔ پس اللہ کے وعدے کے مطابق عذاب آ گیا۔ عذاب کیا تھا فرمایا گیا۔

فلما نسوا ماذکروا بہ انجینا الذین ینہون عن السوء

تبلیغ کرنے والے دونوں گروہوں کو اللہ نے بچا لیا۔

واخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانوا یفسقون

اور اللہ نے ان نافرمانوں کو اپنے عذاب میں جکڑ لیا۔ عذاب کیا تھا عذاب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ اس قوم کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جیسا عمل ویسی ہی پاداش تم خدا کے قانون کے چہرے کو تبدیل کرنا چاہتے تھے تم خدا کی شریعت کے چہرے کو مسخ کرنا چاہتے تھے لیکن اللہ نے مسخ کرنے والوں کے چہرے ہی کو مسخ کر دیا۔ بندروں کی شکل میں وہ تبدیل ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تباہ ہو گئے۔

میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ نجات وحی پر عمل کرنے میں ہے۔ ہمارا اور آپ کا سب کا یہی ایمان ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آج انسان مختلف راستوں اور طریقوں سے اپنی عقلوں کو تھونسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

کوئی اجتہاد کرتا ہے تو اس طریقے کا اجتہاد کرتا ہے کہ وہ حدیث کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا ہے۔ کوئی اجتہاد کرتا ہے تو اجماع صحابہ کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتا۔ کوئی اجتہاد کرتا ہے تو اسلام کی صریح تعلیمات کو نظر انداز کر دیتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج شریعت اسلامیہ کو مسخ کرنے کے لئے عقل اس کے اوپر حاوی ہونا چاہتی ہے لیکن آپ یاد رکھئے جو عقل کا بنا ہوا سیب ہے اس کی خاصیت خون صالح پیدا کرنا نہیں ہے۔ یہ تو اصلی سیب کی خاصیت ہے کہ اس سے خون صالح پیدا ہوتا ہے۔

اگر اللہ کا اصلی دین ہمارے اور آپ کے ہاتھوں میں رہا آپ اور ہم چاہے کتنے ہی

نعرے لگائیں اس وقت تک اصلی دین کی خاصیت پیدا نہ ہوگی۔

یہ فتنہ ہے وقت کا جو مختلف راستوں سے مختلف طریقوں سے آتا ہے۔ آپ میں طالب علم بھی ہیں علماء بھی ہیں آپ کا یہ فرض ہے کہ دیکھیں کہ منشاء خداوندی کو لے کر ہم نے اپنے منشاء کو چھوڑا ہے یا خدا کے منشاء کو چھوڑ کر ہم نے اپنے منشاء کو اس میں شامل کیا ہے۔ یہ ایک بڑا سبق ہے آپ معاف کیجئے گا مجھے میں نے صرف آپ کو اس ایک چیز کی طرف توجہ دلائی ہے دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللّٰهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه و صلی اللّٰه تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد وآله و اصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

طریقہ بندگی

خطاب نمبر ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و
نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا
مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ
لاشریک لہٗ و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولٰنا محمداً عبدہٗ و
رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین
اما بعد! فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم
بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون۔ (پارہ نمبر ۲۱ سورہ روم ع ۵)
صدق اللّٰہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن
علیٰ ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین

بزرگان محترم برادران عزیز

آج آپ کے اس مشہور قصبہ میں دوسری مرتبہ یا تیسری مرتبہ خطاب کے لئے حاضر
ہوا ہوں۔

خطاب کرنے والے کے لئے اس بات کا انتخاب بہت مشکل ہوتا ہے کہ دین کی
کونسی بات کس انداز سے اور کس طریقے پر پیش کی جائے کیونکہ شریعت اسلامیہ اور دین
اسلام پوری زندگی کے نظام کا نام ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اس کا ہر پہلو وسیع ہے اول تو انتخاب کرنا دشوار پھر یہ کہ انتخاب کردہ
بات کس طریقے پر دل و دماغ میں اتاری جائے یہ اس سے زیادہ مشکل ہے۔

ایک زمانہ وہ تھا جب لوگوں میں دین زندہ تھا۔

عام طور پر مسلمان اس پر عمل کرتے تھے۔

صرف خوف خدا اور خشیت الٰہی یاد دلانے کی ضرورت ہوتی تھی لیکن اس زمانہ میں ہر شخص اور ہر مسلمان الگ الگ بیماری میں مبتلا ہے اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ کس کس کا اور کس کس بیماری کا علاج کیا جائے۔

ایک صاحب اپنے بچے کو حضرت تھانوی کی خدمت میں لے آئے کہنے لگے کہ میں نے سب کچھ تدبیریں کر کے دیکھ لی لیکن یہ بچہ نماز نہیں پڑھتا ہے۔

مولانا نے تنہائی میں اسے سمجھایا اور پوچھا تم کیوں نماز نہیں پڑھتے ہو کیا بات ہے؟

اس نے کہا بھی بات تو یہ ہے کہ نماز پڑھوں تو کس کی پڑھوں؟

مولانا نے کہا کس کی کا کیا مطلب۔ اللہ کی پڑھو۔ اس نے کہا کہ میرے عقیدے میں تو اللہ موجود ہی نہیں ہے۔ میں اللہ کے لئے کیسے نماز پڑھوں۔

مولانا نے اس لڑکے کے والد صاحب سے کہا ارے بھائی تم تو یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ بے نمازی ہے یہ تو سرے سے اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھ رہا ہے۔

اس کا تو تم غلط علاج کر رہے ہو۔

میرے دوستو! آج ہر شخص کسی نہ کسی الگ بیماری میں مبتلا ہے آپ کے اس سارے مجمع کی مثال ایسی ہے جیسے اگر حکیم اجمل خاں اپنے مطب میں بیٹھے ہوں اور ان کے پاس مریضوں کا ایک ہجوم ہو اور حکیم اجمل خاں آئیں اور سب کے سامنے ٹی بی کا نسخہ پڑھ کر سنائیں کہ ٹی بی کی بیماری کیسے پیدا ہوتی ہے کس طرح اس سے انسان مر جاتا ہے اس کا علاج کس طرح کیا جاتا ہے اور اس کا پرہیز کیا ہے یہ نسخہ حکیم صاحب نے سنایا ہے اور سنا کر چلے گئے۔

حکیم اجمل خاں صاحب کا سارا مجمع تو ٹی بی کا ہے نہیں کسی کے پیٹ میں درد ہے کسی کے دانت میں درد ہے کسی کی آنکھ میں درد ہے ہر آدمی الگ الگ بیماری کا ہے۔

لیکن حکیم صاحب نے ایک ہی نسخہ پڑھا ہے آپ ایمانداری سے بتایئے کہ کیا یہ نسخہ جسے حکیم صاحب نے پڑھ کر سنایا ہے سب کے لئے مفید ہو گا؟

یہ نسخہ تو صرف ان کے لئے مفید ہو گا جو ٹی بی کے مریض ہوں اور جو ٹی بی کے مریض

نہیں وہ جیسے آئے تھے ویسے ہی اٹھ کے چلے جائیں گے۔

اس سے سب کا فائدہ تو نہ ہوگا ہاں سب کا فائدہ یوں ہوگا کہ حکیم صاحب کے پاس ایک ایک مریض آئے اپنا حال سنائے اور حکیم صاحب اسے نسخہ لکھ دیں وہ چلا جائے دوسرا آئے اس کے موافق وہ اپنا نسخہ لے جائے ایسے ہی حکیم اجمل خاں صاحب کے مطب کا طریقہ تھا کہ وہاں ایک ایک مریض آتا تھا وہ اپنا حال سناتا تھا اس کے موافق نسخہ لے جایا کرتا تھا۔

دوسرا آتا تھا وہ چلا جاتا تھا تیسرا آتا تھا وہ چلا جاتا تھا سب کو ان کی بیماری کے موافق نسخے بتائے جاتے تھے فائدہ سب کا ہوتا تھا۔

میرے دوستو! روحانی و قلبی علاج کا بھی یہی طریقہ ہونا چاہئے اسی لئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ جلسے تھے نہ اجتماعات تھے۔

اس دور میں یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی آتا اور اپنی روحانی بیماری کا تذکرہ کرتا آپ اس کا علاج فرماتے۔

کوئی آتا اور کہتا یا رسول اللہ میرے دل میں سختی پیدا ہوگئی ہے اس کا علاج فرمائیے۔

آج ہم اور آپ تو اس بیماری کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں اس بیماری کو بیماری ہی نہیں سمجھ رہے ہیں۔

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنا جائزہ لیتے تھے کہ کہیں ہماری روحانیت میں خرابی تو نہیں آئی ہے۔

ایسی کوئی تبدیلی اگر نظر آتی تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس کا علاج فرمایا کرتے۔ کوئی آتا اور کہتا کہ یا رسول اللہ سختی اور شقاوت قلبی کی مجھے شکایت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا علاج فرمایا فرمایا کہ تم یتیم بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا کرو۔ انشاء اللہ اس سے تمہارا دل نرم ہو جائے گا۔

جو جس بیماری کی شکایت کرتا حضور اس کے مطابق نسخے تجویز فرماتے۔

جتنے بھی آپ کی صحبت میں آتے سب کو فائدہ پہنچتا تھا۔

لیکن اس زمانے میں دین کی کونسی کونسی بات پیش کی جائے کونسے کونسے نسخے پیش

کئے جائیں اور کس کس طریقے سے پیش کئے جائیں یہ کافی مشکل ہے اس لئے کہ آج ہر فرد مختلف امراض میں گرفتار ہے۔

آپ نے کہانیوں کی کتاب میں پڑھا ہوگا کہ سندھ باد کا ایک بڑا سیاح جس نے دنیا کے مختلف ملکوں کی سیر کی۔ سیر و تفریح کے بعد جب وہ واپس ہونے لگا تو ایک جگہ سے سفید عمارت نظر آئی اس نے کہا یہ عمارت کسی بادشاہ کی معلوم ہو رہی ہے۔

چلو سب جگہ کا چکر میں نے لگا لیا ہے یہاں بھی چلوں۔ وہ اس عمارت کے قریب آ رہا ہے جس قدر وہ قریب آ رہا ہے وہ عمارت اسے بڑی معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال وہ اس عمارت کے قریب پہنچ گیا اس نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کسی بادشاہ کا محل ہے وہ اس عمارت کے چاروں جانب چکر لگاتا ہے کہ کہیں اسے کوئی پھاٹک مل جائے کوئی دروازہ مل جائے کوئی کھڑکی مل جائے اور میں اندر جاؤں اور بادشاہ سے ملاقات کروں۔

چکر کاٹ کاٹ کر تھک جاتا ہے اور تھک کے بیٹھ جاتا ہے کوئی راہ گیر جا رہا تھا تو اس نے پوچھا کہ بادشاہ کے محل کا دروازہ کدھر ہے اس نے کہا آپ غیر ملکی مسافر معلوم ہوتے ہیں وہ کہتا ہے ہاں میں غیر ملکی مسافر ہوں وہ راہ گیر کہتا ہے یہ جو آپ کو سفید سفید نظر آ رہا ہے کیا آپ اس کو بادشاہ کا محل سمجھ رہے ہیں؟

یہ تو ایک مرغ کا انڈا ہے اس میں نہ دروازہ ہے نہ کھڑکی ہے آپ کہاں اندر جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

میرے دوستو! میں دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ مسلمانوں کا سارا معاشرہ ایک مرغ کا انڈا بن گیا ہے۔ دین کی بات پہنچانی ہو تو دروازہ کہاں سے لائیں کھڑکی کہاں سے لائیں پھاٹک کہاں سے لائیں۔ دین کی بات پہنچانے کا راستہ ہی نہیں مل رہا ہے۔

سارا معاشرہ ایک مرغ کا انڈا بن چکا ہے۔

اور اگر دین کے پہنچانے کا کوئی راستہ بھی ملتا ہے تو کہتے ہیں کہ مولوی صاحب ایسی کوئی بات بتایئے کہ جس سے ہماری آمدنی میں اضافہ ہو دنیا ہمیں مل جائے ہماری تنخواہ بڑھ جائے یہ کیا آپ ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہیں کیا آخرت میں ایسا ملے گا ویسا ملے گا۔

آپ پوچھتے ہیں کہ اب کیا ملے گا؟ ہمیں تو نقد ہی نقد چاہیے۔

کہتے ہیں کہ آپ اس راستے کو اختیار کریں۔

میں نے کہا بھائی سیاست انبیاء علیہم السلام نے بھی اختیار نہیں کیا کیونکہ طریقے دو ہیں۔

یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ حافظ شیرازی کا شعر یاد آیا۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن   کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

ایک طریقہ مزدوروں کا ہے۔ مثلاً آپ نے تیل لیا۔

کنستر کے اندر آپ کو ضرورت ہے کسی مزدور کی۔ آپ نے مزدور سے کہا بھائی یہ میرے گھر پہنچا دو۔ وہ کہتا ہے پہنچانے سے پہلے بتا دو کہ کیا

کیا ملے گا اس پر۔ آپ نے کہا کہ بھائی تم ہم سے طے کر لو۔ اس نے کہا کہ صاحب آپ مجھے چار آنے دے دیجیے اب وہ کنستر اٹھا کے گھر پہنچا دیتا ہے۔

آپ نے اس کے ہاتھ میں چار آنے رکھ دیے۔

چار آنے دیکھ کے وہ کہتا ہے یہ تو چار آنے ہیں اس میں تو آٹا بھی نہیں آئے گا۔ اس میں میرے گھر کی روٹی بھی نہیں چلے گی۔

اور میں منصوبہ بندی کا بھی قائل نہیں ہوں میرے تو بچے بھی ماشاءاللہ آٹھ سات ہیں کیسے کافی ہوں گے یہ چار آنے اسکی کچھ اور دیجیے۔ آپ نے کہا کہ نہیں یہ مزدوری کا معاملہ ہے ہمیں نہیں معلوم کہ تمہارے بچے کتنے ہیں اور تمہاری کیا ضرورت ہے جو طے ہو گیا ہو گیا بس۔

میرے دوستو! ایک یہ مزدوری کا طریقہ۔ ایک طریقہ ہے بندگی اور عبادت کا وہ ایسے کہ آپ نے تیل خریدا اور کسی مزدور سے آپ نے کہا کہ میاں اسے گھر پہنچا دو۔ اس نے فوراً اسے اٹھا لیا اور اپنے سر پر رکھ لیا آپ نے کہا کہ بھائی تم نے تو کچھ طے نہیں کیا وہ کہتا ہے کہ میرا کام تو اٹھا کے گھر پہنچانا ہے۔ دینا تو آپ جانیں یہ میرا کام نہیں۔ آپ کتنا دیتے ہیں اور کتنا نہیں دیتے ہیں آپ جانیں میرا کام تو سر پہ کنستر رکھنا ہے وہ تو میں نے رکھ لیا ہے گھر پہنچا آپ نے پوچھا مزدور سے کہ بھائی تمہارے بچے کتنے ہیں وہ کہتا ہے آٹھ بچے ہیں دس۔ آپ نے اس مزدور کو چار آنے دینے تھے تو اس کو آپ پانچ روپے دیں کہ تمہارے بچے ہیں

گے کہ بھائی تم غریب آدمی ہو تمہارے عالی دماغ بھی تیز دوڑ ہیں لہذا پانچ روپے چندہ کہ لو۔

میرے دوستو! یاد رکھئے یہ طریقہ بندگی کا ہے اور وہ مزدوری کا آپ مزدوری کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ بندگی کا طریقہ اختیار کریں آپ یہ نہ پوچھئے کہ اللہ میاں کیا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی ضرورتوں کی اور آپ کے کنبے کی خبر ہے اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی حاجت کے موافق دیں گے۔

لیکن آج ہم یہ کہتے ہیں کہ پہلے کیا ملے گا اور کتنا ملے گا اور جن لوگوں نے یہ راستہ اختیار بھی کیا تو انہیں نقصان ہی ہوا ہے جیسے ایک مولوی صاحب نے کہیں کسی گاؤں میں جا کے وعظ کیا اور کہا کہ بھائی اگر چالیس دن تک نماز کی پابندی کرلو تو تمہیں اس کے بدلے بھینس ملے گی۔

گاؤں والوں نے کہا کہ اچھی بھینس تو پانچ سو روپوں میں آتی ہے چلو چالیس دن کے بدلے وہ مل جائے تو اس سے بہتر سودا اور کیا ہے چنانچہ ایک نے بھینس کی خواہش میں نماز شروع کردی۔ آج جب کہ دس دن ہوئے بیس دن ہوئے پچیس دن ہوئے تیس دن ہوئے اب وہ بھینس کے لئے جگہ بنا رہا ہے جس میں سنڈا ل کر کھانے کو ناند بھی کا نصب کر رہا ہے رسی بھی جا کے لے آیا ہے چالیس دن پورے ہو گئے مگر بھینس نہیں ملی وہ مولوی صاحب کے پاس گیا اور کہا مولوی صاحب آپ نے کہا تھا کہ چالیس دن پابندی سے نماز پڑھو تو بھینس ملے گی۔ میں نے چالیس دن کی نماز پڑھی ہے بھینس کہاں ہے۔

مولوی صاحب نے کہا ارے بیوقوف میں نے تو یہ اس لئے کہا تھا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جس نیکی کو انسان چالیس دن تک متواتر کرتا ہے اس کو اس نیکی کی عادت پڑ جاتی ہے۔

میں تو تجھے نماز کا عادی بنانا چاہتا تھا۔

وہ کہتا ہے اچھا بھائی مجھے تو پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا چلو میں نے بھی چالیس دن بلا وضو ہی نماز پڑھی ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کوئی بات کس طریقے سے پہنچائی جائے خطاب کرنے والے کے لئے یہ پہلو نہایت ہی اہم ہے اس لئے عام طور پر ایسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے جو جوانوں بوڑھوں اور عورتوں کے لئے یکساں مفید ہو اس کے لئے میں نے اس آیت کی

تلاوت کی ہے۔ یہ قرآن کریم کے اکیسویں پارے کی آیت ہے فرمایا گیا۔

ظہر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقہم بعض الذی عملوا لعلہم یرجعون۔

میرے دوستو بر و بحر زمین پر فساد پھیل گیا ہے۔

کسی ملک کا سوال نہیں کسی علاقے کا سوال نہیں کسی خطے کا سوال نہیں کسی براعظم کا سوال نہیں بر و بحر میں فساد پھیل گیا ہے جیسے کہا جائے مشرق و مغرب مطلب یہ ہے کہ سارا جہان خشکی اور تری ہر سمت ہر جانب فساد پھیل چکا ہے خشکی میں بھی فساد تری میں بھی فساد روئے زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس میں فساد نہ ہو ہاں کہیں فساد کم ہے تو کہیں زیادہ ہے۔ لیکن روئے زمین پر فساد پھیل گیا ہے۔

یہ فساد کیوں ہوا انسانوں کی حرکتوں سے ان کے اعمال سے ان کے ہاتھوں سے ہوا ہے۔

فساد کیا ہے؟ فساد کے معنی لڑنے جھگڑنے کے نہیں لڑنے جھگڑنے کا نام فساد نہیں ہے۔ اصل فساد وہ ہے جو دل میں اور فکر میں پیدا ہو۔ فساد وہ ہے جو انسان کی عقل میں پیدا ہو۔ لڑائی جھگڑا تو دل و دماغ کے فساد کا نتیجہ ہے۔ اسی لئے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا ہے۔

واذا قیل لہم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون (پارہ ۱)

اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ آگ لگا دیتے تھے یا کسی کو لوٹ لیتے تھے یا کسی کو قتل کر دیتے تھے اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی ریشہ دوانی سے لوگوں کے دل و دماغ کو خراب کرتے تھے اور یہ سب سے بڑا فساد ہے دل و دماغ درست ہے تو صلح ہے جس کا دل و دماغ درست ہو وہ صالح انسان ہے اور جس کے دل و دماغ میں گندگی جمع ہو جائے تو یہ فسادی ہے۔

جس کی فکر جس کا عقیدہ بدل جائے اور اس کے دل میں گندگی جمع ہو جائے یہ بھی فساد ہے۔

بہرحال اللہ نے فرمایا۔

ظہر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس

زندگی اور تری میں فساد پھیل چکا ہے اور یہ فساد انسانوں کے غلط اعمال و افعال سے پھیلا ہے۔ اور پیدا ہوا ہے اور جو کچھ حضرت انسان نے کیا ہے وہ اس کا کچھ مزہ چکھے گا۔

علمائے محققین نے لکھا ہے اور شاید پہلی دفعہ آپ مجھ سے یہ سن رہے ہیں کہ اللہ نے روئے زمین کو اس طریقے پر پیدا کی تھی کہ ایک حصہ بھی ترشی کا نہ تھا زمین کا ایک چپہ بھی ناقابل پیداوار نہ تھا ہر چپے پر اللہ نے ایسے درخت پیدا کئے تھے کہ جس میں کانٹے نہ تھے ایک درخت بھی ایسا نہیں جو برگ و پھل نہ رکھتا ہو۔

سمندر کے پانی کو اللہ نے شیریں بنایا تھا لیکن آج آپ دیکھیں گے کہ زمین ہے لیکن وہ بنجر ہے درخت ہیں مگر کانٹے دار۔ درخت ہیں مگر وہ بے پھل سمندر ہیں مگر ان کا پانی کڑوا۔ یہ کیوں؟ یہ انسان کے نامہ اعمال اور گناہوں کا نتیجہ ہے کہ سب سے پہلے انسان نے جب گناہ کیا تھا تو زمین بنجر ہونے لگی ترشی پر ایسے درخت اگنے لگے جن میں پھل نہیں اور سمندر کا پانی کڑوا ہونے لگا یہ یاد رکھیے کہ جب انسان کی طرف سے تبدیلی آتی ہے تو اللہ کی طرف سے بھی تبدیلی آتی ہے۔

ایک واقعہ میں نے پڑھا تھا کہ جب تیرھویں صدی ختم ہو کر چودھویں صدی شروع ہونے والی تھی تو درمیان میں ایک رات باقی تھی۔

دو مسافر جا رہے تھے یہ مشہور ہے نا کہ ساری خرابیاں چودھویں صدی نے پیدا کی ہیں اس سے پہلے تو سب اچھے تھے۔

ان دو مسافروں میں ایک مسافر وہ تھا کہ جس کی کمر میں سونے کی اشرفیاں بندھی ہوئی تھیں دوسرا مسافر وہ بے چارہ غریب۔

دونوں کے دل ایک دونوں مسافر کچھ دیر بعد اشرفیوں والا اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ بھائی ان اشرفیوں کو باندھتے باندھتے میں تھک گیا ہوں۔ ہزار سونے کی اشرفیاں بندھی ہوئی ہیں کچھ تو میرا ہاتھ بٹاؤ اور تھوڑی دیر کے لئے تم اسے باندھ لو کیا آج کوئی ایسا کہے گا۔ کوئی نہیں۔ بھائی کسی کو گھر تک نہیں جانے دے گا بلکہ یہ بھی نہیں بتائے گا کہ میری کمر میں سونے کی اشرفیاں ہیں۔

مگر وہ اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے معذرت کر دیتا ہے۔ خیر ایک سرائے میں دونوں

ٹھہرے تھے رات گزر گئی اور چودھویں صدی شروع ہو گئی۔ وہ جس نے کہ انکار کیا تھا دل ہی دل میں کہنے لگا کہ یہ بھی بڑا بیوقوف ہے اگر ان اشرفیوں کی تھیلی کو باندھ ہی لیا ہے تو کیا حرج تھا۔
اور وہ جس کی اشرفیوں کی تھیلی تھی وہ بھی دل ہی دل میں کہنے لگا کہ دیکھا تو نے بیوقوفی کی کہ تو نے اس سے کہہ دیا تھا کہ تو اسے اپنی کمر میں باندھ لے خیریت ہوئی کہ اس نے انکار کر دیا۔
دیکھئے دونوں میں تبدیلی آ گئی۔

اب وہ آدمی کہ جس نے انکار کیا تھا اس نے اس سے کہا کہ کل میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں یہ ذمہ داری لینے کو تیار نہیں ہوں رات میں اس پر شرمندہ ہوا۔ اب میرا خیال یہ ہے کہ آخر میں تمہارے سفر کا ساتھی ہوں مجھے بھی تو تمہارا ہاتھ بٹانا چاہئے اب اگر آپ مجھے وہ تھیلی دیں تو میں باندھنے کے لئے تیار ہوں۔

اب وہ جس کے پاس وہ تھیلی تھی اس نے کہا کہ ہاں ہاں کل میں نے یہ کہا تھا لیکن پھر مجھے بھی خیال ہوا کہ اپنی ذمہ داری دوسرے پر ڈالنی نہیں چاہئے دونوں ہنستے ہیں ایک دوسرے کو دیکھ کر اور آپس میں کہتے ہیں کہ یار کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے۔ کچھ تبدیلی تمہارے اندر آئی کچھ تبدیلی ہمارے اندر آئی۔ تم بھی بدلے ہم بھی بدلے بہرحال۔ اللہ نے روئے زمین پر نہ بغیر زمین پیدا کی تھی نہ کوئی چھوٹا سا باغ پیدا کیا تھا نہ کانٹے دار درخت پیدا کئے تھے اور نہ ہی بے پھل کے درخت پیدا کئے تھے نہ ہی سمندر کا کوئی قطرہ کڑوا تھا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کے لڑکے نے پہلی مرتبہ گناہ کیا کہ جس کا واقعہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ ہابیل اور قابیل میں اختلاف ہوا ایک نے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔
فرمایا گیا

واتل علیھم نبا ابنی ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما
ولم یتقبل من الاخر (پ ۶ ع ۹)

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں اولاد آدم کی پیدائش اس طرح تھی کہ حضرت حوا علیہا السلام سے ایک پیٹ سے ایک بھائی بہن پیدا ہوتے تھے اور اس وقت کی شریعت کا یہ قانون تھا کہ ایک پیٹ سے جو بہن بھائی ہیں ان کا آپس میں نکاح جائز نہ تھا دوسرے پیٹ

کے بھائی بہن سے نکاح جائز تھا ایک نے اپنے ہمراہ پیدا ہونے والی بہن سے نکاح کرنے پر اصرار کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ خدا کی مرضی کیا ہے معلوم کی جائے اور اس کے لئے قربانی کی جائے۔ قربانی کے لئے کہیں گوشت رکھا جاتا ہے کہیں گیہوں کی بالیاں رکھی جاتی ہیں۔ اس دور میں قربانی کے قبول ہونے کی نشانی یہ ہوتی تھی کہ آسمان سے آگ آتی اور اس کو کھا جاتی اور جس کو آگ نہ کھائے اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ قربانی قبول نہیں ہوئی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ ہمارا کہا اگر تم نہیں مانتے ہو تو خدا کی مرضی معلوم کر لو۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں نے اپنی اپنی طرف سے قربانی پیش کی۔ ایک کی قربانی قبول ہوئی دوسرے کی قربانی قبول نہیں ہوئی۔ دوسرا یہ وہی تھا کہ جس نے اس زمانے کی شریعت سے منہ پھیر رکھا تھا۔ اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔

فرمایا گیا قال لاقتلنک قال انما یتقبل اللہ من المتقین لئن
بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیک لاقتلک
انی اخاف اللہ رب العلمین (پ۱ ع۹)

اس نے کہا اس میں میرا کیا قصور ہے اللہ نے میری قربانی قبول کی ہے اور تیری قربانی قبول نہیں کی۔

اس کے باوجود اگر تو قتل کرنا چاہتا ہے تو تیری خوشی قتل کر لیکن اس کے جواب میں تجھے میں ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا تو قتل کا مظاہرہ کر کے بتا تو ظلم کو ظاہر کر کے بتا میں مظلوم ہونے کا مظاہرہ کر کے بتاتا ہوں۔

آخرکار ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو قتل کر دیا۔ روئے زمین پر سب سے پہلا قتل بنی آدم میں یہی ہوا۔ روئے زمین پر سب سے پہلا گناہ اور معصیت یہی تھی اس سے پہلے کسی نے کسی کو قتل کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اس سے پہلے آدم علیہ السلام کی اولاد نے کسی کو مرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اب وہ قتل کے بعد نعش کو اپنے کاندھے پر اٹھائے پھر رہا ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ اس کو کیا کیا جائے۔ چلتے چلتے وہ تھک کے بیٹھ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فبعث

اللہ غرابا یبحث فی الارض لیریہ کیف یواری سواۃ اخیہ (پ ۶ ع ۹)

میرے دوستو! آج انسان کو اپنے علم کا دعوی ہے لیکن یاد رکھئے بہت سی چیزیں انسانوں کو جانوروں نے سکھائی ہیں آپ نے کپڑوں کی تھانوں میں مکڑی کی تصویر کو دیکھا ہوگا۔ کپڑے پر مکڑی کی تصویر کیوں بناتے ہیں؟

اس لئے کہ کپڑا بننا انسان کو مکڑی نے سکھایا ہے۔ مکڑی اپنے جالے کا تانا بانا بناتی ہے۔ انسان نے اس تانے بانے کو دیکھا تو اس نے بھی اس کی نقل کی کہ وہ ہوا گر کاٹن میں بھی اس طرح کیا جائے تو کپڑے کی اچھی خاصی تھان ہوجائے۔

اس سلسلہ میں انسان مکڑی کے شاگرد ہیں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں جن کو اللہ نے جانوروں کے ذریعہ انسانوں کو بتلائی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک جنگل میں جارہا تھا میں نے دیکھا کہ کتے کا بچہ سردی سے اکڑ رہا ہے اور وہ کیچڑ میں لت پت ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں جانتا تھا کہ یہ نجس ہے اسے اٹھایا جائے تو میرے ہاتھ بھی نجس ہوں گے اور کپڑے بھی نجس ہوں گے لیکن وہ ایک جاندار ہے۔

میں اس کیچڑ میں گیا اور اس کتے کے بچے کو نکال کر تیوں سے صاف کیا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو میرے بس میں تھا بس اتنا میں نے کیا باقی اللہ اس کو زندہ رکھے تو زندہ رکھے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو وہاں سے چلا گیا اس درمیان ایک زمانہ گزر گیا پھر ایک مرتبہ میں جنگل میں اس طرح جارہا تھا کہ دونوں جانب کھیت۔ ادھر بھی کھیت ادھر بھی کھیت۔ ادھر بھی پانی ادھر بھی پانی۔ درمیان میں ذرا سا راستہ ہے دیکھا کہ ایک کالا کتا آرہا ہے۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ جب یہ قریب آئے گا تو وہ راستہ چھوڑ دے گا۔

لیکن وہ آمنے سامنے کھڑا ہوجاتا ہے۔ راستہ اتنا چھوٹا کہ وہ بھی گزر کے جانہیں سکتا تھا اور میں بھی گزر نہیں سکتا تھا میں نے اس سے کہا اے کتے تو راستہ چھوڑ دے جب میں گزر جاؤں گا تو تو راستہ اختیار کرلینا۔ کتا جواب دیتا ہے کہ یہاں زمانے کے اللہ والے اور بزرگ ہیں پہلے

کے بزرگ تو کہا کرتے تھے کہ بھائی پہلے تو اپنا کام کرلے اس کے بعد میں کروں گا۔ حضرت شاہ
صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرت ہوئی میں نے کہا کیا بات تمہیں ہے؟ بات یہ ہے کہ مجھ
پر نماز فرض ہے تیرے جسم پر لباس نہیں ہے میرے جسم پر لباس ہے جس کا پاک رکھنا ضروری ہے
میں نیچے اتر جاؤں گا تو میرا جسم بھی ناپاک ہوگا اور میں نے نماز بھی نہیں پڑھی ہے۔

اور اگر تو نیچے اتر جائے گا تو نہ تیرا جسم ناپاک ہوگا اور نہ تیرے کپڑے ناپاک ہوں
گے۔ کتا جواب دیتا ہے حضرت جی اگر آپ کا جسم اور کپڑے ناپاک ہو گئے تو وہ ایک لوٹے
پانی سے پاک ہو سکتے ہیں لیکن اگر میں نے آپ کے لئے راستہ چھوڑ دیا تو آپ میں وہ تکبر
پیدا ہوگا کہ سمندر کے سمندر بھی بہاؤ گے تو آپ پاک نہیں ہو سکتے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں اللہ نے کیسا انتقام فرمایا کہ دل کے دروازے کھل
گئے۔ فرمایا اللہ نے القا کیا کہ کیا تم نے پہچانا یہ کون سا کتا ہے ایک زمانے میں تم نے ایک کتے
کو کیچڑ سے نکالا تھا اور اسے جنگل میں ڈھلک کے رکھ دیا تھا یہ وہی کتا ہے تم نے اس کتے پر
بڑا احسان کیا تھا اللہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کے اوپر تمہارا احسان رہے۔ احسان کا بدلہ
احسان سے اتارنے کے لئے اللہ نے اس کو تمہارے علم کا ذریعہ بنا دیا۔

خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جانوروں سے بھی انسان کو علم حاصل ہوتا ہے۔ غیب سے
کوا آتا ہے فرمایا گیا۔

فبعث الله غرابا يبحث في الارض ليريه كيف يواري سوأة
اخيه (پ ٦ ع ٩)

کوا آ کے بیٹھ جاتا ہے چونچ سے زمین کو کھودتا ہے اور پنجوں سے پکڑ کر نعش کو کھینچتا
ہے۔ کبھی چونچ سے زمین کو کھودتا ہے کبھی پنجوں سے پکڑ کے نعش کو کھینچتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے اس بیٹے کو جو یہ سب کچھ کھڑا دیکھ رہا تھا بات سمجھ میں آ گئی
کہ غالباً اللہ نے اس جانور کے ذریعہ مجھے سبق دیا ہے کہ زمین کو کھود کے دفن کیا جائے۔ اور
یہ فطرت کی بھی بات ہے۔

بہر حال پہلا گناہ اور پہلی معصیت انسان نے جو کی تھی وہ یہی تھی کہ بھائی نے بھائی کو قتل کر

دیا اس کے بعد سے تو دنیا میں طرح طرح کے گناہوں کا سلسلہ جاری ہے۔ بنی نوع انسان نے اس زمین کے اوپر اتنے گناہ کیے ہیں کہ جس کی وجہ سے سمندر کا پانی کڑوا ہو گیا زمین بنجر بن گئی۔ درخت ایسے ہو گئے کہ ان میں پھل نہیں۔ آج کی تو یہ فلاسفی ہے کہ قحط اس سبب سے ہوا زمین اس وجہ سے بنجر ہوئی اس وجہ سے پھل نہیں ہوئے ہیں۔ یہ تو آپ کی تحقیق ہے اور آپ کا فلسفہ ہے لیکن یہ بھی ایک فلسفہ ہے کہ انسان کے گناہوں کی وجہ سے روئے زمین میں اللہ تعالیٰ پیداوار کم کر دیتے ہیں زمین بنجر بنا دیتے ہیں کبھی پانی کڑوا کر دیتے ہیں کبھی پھل ختم کر دیتے ہیں۔

قرآن کریم کی ایک بڑی تفسیر ''تفسیر کبیر'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ امام فخر الدینؒ کی تفسیر ہے۔ یہ اپنے زمانے کے بڑے مجدد اور بڑے محقق ہیں۔

مولانا جلال الدین رومیؒ نے اپنے زمانے میں ان کو سند دیتے ہوئے کہا ہے۔

گر باستدلال کار دیں بدے   فخر رازی راز دار دیں بدے

امام فخر الدینؒ کی تفسیر دیکھ لیں جگہ میں بتا دیتا ہوں سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں اپنی تحقیق کے مطابق وہ لکھتے ہیں کہ مالک یوم الدین میں جو مالک ہے وہ ملک سے بنا ہے۔ ملکیت کے معنی بادشاہ کے بھی آتے ہیں۔ یہاں آپ مالک یوم الدین بھی پڑھ سکتے ہیں اور ملک یوم الدین بھی پڑھ سکتے ہیں۔

مالک یوم الدین کا ترجمہ یوم جزا کا مالک ہے۔

ملک یوم الدین کا ترجمہ روز جزا کا بادشاہ ہے۔

مالک یوم الدین کی تفسیر میں امام فخر الدینؒ نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لے آئے تو وہ زمانہ نوشیرواں عادل کا زمانہ تھا۔

نوشیرواں عادل دنیا کا بڑا منصف بادشاہ ہے عادل اس کا کچھ تخلص تو نہ تھا لیکن اپنے عدل وانصاف سے وہ عادل کہلائے جانے لگا تو فرمایا کہ نوشیرواں کے زمانے میں حضور اکرمؐ تشریف لائے آپ خود سراپا انصاف بن کر آئے سراپا عدل بن کر آئے زمانہ بھی آپ کو وہ ملا جس میں دنیا کا سب سے زیادہ انصاف والا بادشاہ تھا۔

امام فخر الدینؒ نے نوشیرواں عادل کا قصہ لکھا ہے کہ نوشیرواں عادل ایک مرتبہ اپنے

ساتھیوں کے ہمراہ شکار کھیلنے گیا۔ کھیلتے کھیلتے وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جاتا ہے۔ ویسے اس کے جسم پر شاہانہ لباس بھی نہ تھا کہ جسے دیکھ کر یہ سمجھا جا سکے کہ یہ بادشاہ ہے۔ خیر اس کو پیاس لگی ہے۔

یہ ایک باغ میں جاتا ہے۔ دیکھتا ہے کہ وہاں ایک نو عمر لڑکا ہے۔ نوشیرواں اس سے کہتا ہے کہ بھائی تمہارے ہاں کوئی پینے کا سامان ہے۔ وہ کہتا ہے ہاں ہے لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ کو پانی چاہیے۔ یا جوس۔ یہ باغ تو میرے پاس ہے۔ نوشیرواں کہتا ہے کہ کیا ہے کہ جوس ہے وہ کہتا ہے سب سے اچھی قسم کا جوس جو ہے وہ انار کا ہے۔ نوشیرواں کہتا ہے کہ اچھا جاؤ انار توڑ کے لاؤ۔

امام فخر الدین لکھتے ہیں کہ وہ نوشیرواں عادل کے سامنے انار توڑ کے لاتا ہے جب وہ انار کھولتا ہے تو نوشیرواں کہتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنے اچھے دانے نہیں دیکھے۔

بڑے بڑے دانے ہیں اس کے۔ نوشیرواں نے جب جس کا رس پیا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں اتنا مزے دار جوس نہیں پیا ہے۔ نوشیرواں بڑا حیران کہ میرے ملک میں یہ باغ ہے اور میں نے کبھی اس انار کا جوس نہیں پیا ہے نوشیرواں کہتا ہے کہ میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ میں بادشاہ ہوں اب تو یہ باغ میرے قبضہ میں رہے گا۔

اس باغ کو اس کے پاس نہیں رہنے دوں گا۔ بس یہ خیال تو میرے دل میں آیا لیکن کہا کچھ نہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد جب یہ چلنے لگا تو کہا میاں مالی اب ہم جا رہے ہیں ایک دو انار اور توڑ کے لاؤ نوشیرواں کہتا ہے کہ وہ ہمارے سامنے انار توڑ کے لاتا ہے لیکن ان اناروں میں سے دانے رس نہیں نکلا اور جب میں نے جوس پیا ہے تو اس کا مزہ بھی ویسا نہیں تھا نوشیرواں مالی سے دریافت کرتا ہے بھائی تم انہیں کس درخت سے توڑ لے آئے ہو۔ وہ کہتا ہے کہ حضور اسی درخت سے توڑ لے آیا ہوں جس کے ابھی ابھی آپ نے انار کھائے تھے۔

نوشیرواں مالی سے دریافت کرتا ہے کہ کیا وجہ ہے ان اناروں میں وہ رس نہیں ہے اور ان میں اس جیسا مزہ بھی نہیں۔

نوشیرواں نے جب یہ کہا امام فخر الدین کی تفسیر اٹھا کے دیکھ لیں وہ مالی کہتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کے بادشاہ نے ظلم کا ارادہ کیا ہے۔

یہ سن کر نوشیرواں حیران میرے دوستو! یہ بھی ایک فلسفہ ہے اس فلسفہ کو بھی دیکھیے کہ ظلم کا ارادہ کیا ہے نوشیرواں نے کہ اس باغ پر قبضہ کر لوں گا تو ادھر یہ تبدیلی۔

نوشیرواں کہتا ہے میری توبہ گناہ کا ارادہ کرنے سے خلق خدا کی روزی تنگ ہو جاتی ہو تو میری توبہ اب میں اس پر قبضہ نہیں کروں گا۔

تھوڑی دیر بعد نوشیرواں کہتا ہے مالی پتہ نہیں پھر کبھی آنا ہو یا نہ ہو تم ایک گلاس اور جوس دے دو۔

امام فخر الدینؒ لکھتے ہیں وہ مالی انار توڑنے جاتا ہے اور توڑ کے لے آتا ہے پھر وہ اس کے دانے نکالتا ہے دیکھا گیا کہ پہلے انار والے جیسے اس کے دانے تھے بلکہ اس سے بھی اعلیٰ دانے ہیں اور اس کا جوس جب نکالا تو وہ بھی بہت ہی اعلیٰ ہے۔ میں نے کہا مالی یہ بتاؤ کہ انہیں کس درخت سے لے آئے ہو۔ وہ کہتا ہے اسی درخت سے لے آیا ہوں۔ نوشیرواں کہتا ہے اس کی وجہ کیا ہے کہ یہ اس سے بھی اعلیٰ ہیں۔ مالی کہتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظالم نے اپنے گناہ سے توبہ کر لی ہے۔ یہ سارا ذائقہ اسی توبہ کا ہے اور ان پھلوں کی ترقی اس گناہ سے توبہ کرنے کی وجہ سے ہے۔

نوشیرواں کو پہلی مرتبہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی انسان کے گناہ سے اور انسان کی بداعمالیوں سے خلق خدا کو روزی میں تنگی کس طرح آتی ہے اور خلق خدا کس قدر پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ آپ نے سمجھ لیا۔

میرے دوستو! پہلے زمین کا کوئی چپہ بنجر نہ تھا زمین کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں درخت نہ ہوں کوئی درخت ایسا نہ تھا جس میں پھل نہ ہوں کوئی درخت کانٹے دار نہ تھا سمندر کا پانی کڑوا نہ تھا۔ لیکن انسان کی بداعمالیاں جب بڑھتی چلی گئیں اور جوں جوں انسان دنیا میں گناہ کرتا چلا گیا تو اس کے گناہوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری دنیا کا نقشہ بدل گیا ہے۔

فرمایا گیا ظهر الفساد فی البر والبحر

میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ دنیا کے فلسفوں پر جب آپ یقین رکھتے ہیں تو آپ اس فلسفہ پر بھی یقین رکھیے؟

وہ فلسفہ یہ ہے کہ جب ہم اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے تو یقیناً اللہ ہمیں خوب دیں

گے میں یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ اللہ آپ کو قارون کا خزانہ دیں گے اس لئے کہ قارون خزانے کے ساتھ زمین میں دھنس گیا اور دیکھنے والوں نے کہا اچھا ہوا میاں کہ ہم قارون نہ بنے اہل دولت کا طریقہ ہمیشہ سے یہی چلا ہے وہ کہتے ہیں نا کہ مارنے کے پیچھے پیچھے دوڑتے کتے آ گئے۔

یعنی جب قارون کے خزانوں کا مظاہرہ ہوا ہے اور کنجیاں لے کر قارون نکلا ہے جسے قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ان قارون كان من قوم موسىٰ فبغىٰ عليهم و اٰتينٰه من الكنوز ما ان مفاتحه لتنوء بالعصبة اولي القوة اذ قال له قومه لا تفرح ان الله لا يحب الفرحين (پ ۲۰ ع ۱۱)

قارون نے جب اپنی کنجیوں کا جلوس نکالا ہے۔

تو جنہوں نے جلوس کو دیکھا تو کہا یا اللہ اتنی دولت کہ اونٹوں پہ کنجیاں لگی ہیں جن خزانوں کی کنجیاں اتنی ہوں تو ان خزانوں میں دولت کتنی ہوگی لوگوں نے دیکھا اور ایسا کہا۔

رات میں نے کہا تھا کہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جو زمانے کی رو میں بہنے والے ہیں۔

ہمارے ہاں امریکہ کا صدر مسٹر جانسن آیا شاید اس نے کبھی اونٹ گاڑی نہ دیکھی ہو۔ دیکھا کہ ایک آدمی اونٹ گاڑی لئے جا رہا ہے۔ جانسن نے اپنی گاڑی روکی اور اونٹ گاڑی والے سے کہا بھائی تمہاری گاڑی بڑی اچھی لگ رہی ہے۔ اس گاڑی والے کا نام بشیر تھا جانسن اسے امریکہ لے گیا اور خوب اس کی سیر کرائی۔ بہت سے لوگوں کے منہ میں پانی آ گیا اب لوگ دعا کرنے لگے کہ اے اللہ ہمیں بھی بشیر بنا مطلب یہ کہ ہم بھی بشیر بن جائیں گے تو شاید کوئی اور جانسن آئے اور ہمیں بھی امریکہ لے جائے۔ بعض لوگوں نے اپنے بچوں کا نام بشیر رکھ دیا کہ ان کے زمانے میں کوئی جانسن آ جائے اور انہیں امریکہ لے جائے۔ قارون نے جب اپنے خزانے کی نمائش کی تو لوگوں نے دیکھ کر کہا اے اللہ ہم تو یہ نہیں کہتے کہ تو ہم کو قارون بنا دے لیکن چھوٹا موٹا قارون ہمیں بھی بنا دے۔

ہر ایک کا یہی جی چاہتا ہے کہ اگر سینکڑوں اونٹ پہ چابیاں ہیں تو ایسے دس اونٹ ہمیں بھی مل جائیں۔

ہم بھی چھوٹے موٹے قارون بن جائیں۔ فرمایا گیا۔

قال الذین یریدون الحیوۃ الدنیا یلیت لنا مثل ما اوتی قارون انہ لذو حظ عظیم (پ۲۰ ع۱۱)

یہ قارون بڑے ہی نصیبہ والا معلوم ہوتا ہے دیکھئے کتنی بڑی دولت ہے ماشاءاللہ میاں ہمیں بھی چھوٹا موٹا قارون بنا دے لیکن وہاں اللہ والے بھی موجود تھے جنہیں اللہ نے علم کی دولت عطا کی تھی۔

اور یہ یاد رکھیے کہ جن کو علم ہوتا ہے وہ کھرے کھوٹے کو پہچان لیتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اصلی سیب کون سے ہیں اور مٹی کے بنے ہوئے سیب کون سے ہیں۔

وہ جانتے ہیں کہ اس سیب کی خاصیت کیا ہے اور اس سیب کی خاصیت کیا ہے۔ تو اہل علم نے دیکھا کہ لوگ یہ دعا مانگ رہے ہیں تو انہوں نے کہا۔ فرمایا۔

وقال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللہ خیر لمن امن و عمل صالحاً (پ۲۰ ع۱۱)

ارے ظالمو تم نے یہ کیا دعا مانگی ہے۔ دعا مانگنی تھی تو قارون بننے کی دعا مانگی تھی؟ آخرت کی دعا مانگتے۔ آخرت کے خزانوں کی دعا مانگتے۔ لیکن وہ لوگ دنیا کی دوڑ میں پیچھے والے تھے اور یہ دنیا کی دوڑ کا مقابلہ کرنے والے تھے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ قارون اپنی بداعمالیوں کی وجہ زمین کے اندر مع خزانوں کے دھنسا دیا گیا تو انہوں نے کہا اے اللہ تیرا کھلا کھلا شکر ہے کہ تو نے ہمیں قارون نہیں بنایا۔

ورنہ ہم بھی اسی کے ساتھ دفن ہو جاتے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ بھی ایک فلسفہ ہے اس لئے ہم اور آپ اللہ کی عبادت اور بندگی کا راستہ اختیار کریں۔

میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ قارون کے خزانے ملیں گے لیکن اللہ آپ کو وہ دولت عطا کریں گے کہ جو سلاطین اور بادشاہوں کے پاس بھی نہیں ہے۔

وہ راحت وہ سکون عطا کریں گے کہ جو دنیا کے حکمرانوں کو بھی میسر نہیں ہے۔

اس کے لئے اسلام کی تعلیمات پر عمل ضروری ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا ہے کہ تنہا آپ ہدایت پر عمل کریں اسلام سب کو ہدایت پر عمل کی دعوت دیتا ہے اور گناہوں اور برائیوں سے بچنے کی تاکید کرتا ہے تاکہ سب ہی گناہوں کے اثرات سے محفوظ ہوں۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ گناہوں کے اثرات سے پھلوں کے رس ختم ہو جاتے ہیں گندم کی پیداوار ختم ہو جاتی ہے پانی خشک ہو جاتا ہے۔

اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ دنیا کے تمام براعظموں میں اور دنیا کے تمام ملکوں میں جہاں جہاں اللہ کی بغاوت ہے وہاں ان حالات سے سابقہ ہے اور جہاں اللہ کے بندے اطاعت میں ہیں یقیناً وہاں کے حالات میں تباہی اور نقصان کم ہے یہ عام مسئلہ ہے اور سب کے لئے ہے کہ۔

انسان کے اعمال سے روئے زمین متاثر ہوتی ہے۔

حدیث کا ایک واقعہ یاد آ گیا کہ۔

جب کوئی شخص دنیا میں کسی پر ظلم کرتا ہے یا گناہ کرتا ہے تو جانور اللہ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں کہ اے اللہ یہ آدمی جو گناہ کر رہا ہے ہمیں معلوم ہے کہ اس کے گناہوں کی وجہ سے ہماری روزی پر اثر پڑتا ہے اے اللہ تو اس کو ہدایت دے اور گناہ سے بچا۔ معلوم ہوا کہ یہ بھی ایک فلسفہ ہے۔

بہر حال خدا کی عبادت اور بندگی سے سارے عالم کا نظام اطمینان اور تسکین بخش ہوتا ہے۔ اور اگر انسان روئے زمین پر فساد پھیلائے گا روئے زمین معصیت سے بھر دی جائے تو پھر پیداوار میں اور انسان کی راحت و آرام میں ہر چیز میں ایک قسم کا فساد اور عذاب پیدا ہو جاتا ہے۔

اس آیت سے یہی بات پیش کرنا چاہتا تھا۔

ہمیں اور آپ کو راحت چاہئے اس کا طریقہ یہی ہے کہ خدا کی بندگی اور عبادت کریں جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا کہ پہلے آپ مت مانگئے بلکہ آپ یہ کہئے کہ اے اللہ ہمارا کام بندگی کا ہے دینا آپ کا کام ہے۔

پھر دیکھئے کہ اللہ کتنا دیں گے بے حساب دیں گے۔ اس لئے یہ راستہ یہ طریقہ اختیار کیجئے۔ یہ راستہ قرآن کا بتلایا ہوا راستہ ہے۔ اسے اختیار کرنا چاہئے اب میں آپ سے

معذرت چاہوں گا۔

دعا کیجئے کہ اللہ آپ کو اور سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اے اللہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ ہمیں آپ کی عبادت اور بندگی کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ ہمیں بغاوت سے معصیت سے نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ ہمیں ہر قسم کی آفتوں سے تکلیفوں سے اور پریشانیوں سے نجات عطا فرما۔

اللّٰھم ارنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلاً و ارزقنا اجتنابہ اللّٰھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد صلاۃ تنجینا بھا من جمیع الاھوال والآفات و تقضی لنا بھا من جمیع الحاجات و تطھرنا بھا من جمیع السیئات و ترفعنا بھا اعلی الدرجات و تبلغنا بھا اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیوۃ و بعد الممات انک علیٰ کل شیء قدیر برحمتک یا ارحم الراحمین.

مفتی محمود الحسن صاحبؒ کی یادگار

خطاب نمبر۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علٰے عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد منتظمین مدرسہ اور معزز حاضرین تقریباً بیس پچیس سال بعد مجھے آپ کے اس مشہور قصبے میں دوبارہ حاضری کا اتفاق ہوا ہے۔ لیکن جناب قابل احترام مفتی محمود الحسن صاحبؒ کے لئے آنکھیں متلاشی ہیں۔

یہ معلوم کر کے بہت صدمہ ہوا کہ ابھی حال میں مفتی صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پچھلی مرتبہ ان سے کافی دیر تک بعض مسائل اور بعض موضوعات پر گفتگو ہوئی تھی۔ ویسے فتویٰ کے لئے ایک خاص قسم کی صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں صرف جاننا کافی نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات مفتی کے لئے یہ ہے کہ وہ ماحول سے متاثر ہو کر فتویٰ نہ لکھے۔ خواہ وہ فتویٰ موافق لوگوں کا ہو یا مخالف لوگوں کا خواہ اس سے نقصان کا اندیشہ ہو یا مفاد کی توقع ہو۔ وہ اس طریقے پر فتویٰ لکھے جیسے وہ اللہ کے سامنے موجود ہو اور اللہ کی جانب سے سوال کیا جا رہا ہو کہ اس کا جواب کیا ہے اور وہ بے لوث طریقے پر فتوؤں کا جواب دے۔

جناب مفتی محمود الحسن صاحبؒ میں یہ بات دیکھ کر خوش ہوا تھا کہ اللہ نے ان کو ایسی صلاحیت دی تھی کہ وہ ماحول سے متاثر ہو کر شرعی رائے قائم نہیں کرتے تھے۔

ایک واقعہ آپ کی معلومات کے لئے عرض کرتا ہوں کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ آخری عمر میں بیمار تھے۔ بیماری یہ تھی کہ انہیں بار بار بیت الخلاء جانا ہوتا تھا۔

خانقاہ میں دور دراز کے دوست واحباب اور خدام رہتے تھے مولانا ایک ہفتے تک خانقاہ نہ آئے لوگ بے چین تھے ایک ہفتے کے بعد مولانا آئے اور یہ فرمایا کہ خانقاہ میں قدم رکھتے ہی مجھے ایسا سکون ملا جیسے مچھلی کو پانی کے اندر سکون ملتا ہے اگر مجھے بیت الخلاء کی تکلیف نہ ہوتی تو بیماری کے دور میں بھی خانقاہ ہی میں ٹھہرتا لیکن کافی فاصلے پر یہاں بیت الخلاء ہے۔ مجھ میں اتنی قوت نہیں کہ وہاں تک بار بار جاؤں۔ قریب میں بیت الخلاء ہوتا تو

بیماری کا زمانہ بھی گزار رہا تھا۔

مولانا کی مجلس میں بڑے بڑے علماء موجود رہتے تھے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بھی اس موقع پر موجود تھے مولانا کے خلفاء میں سے بعض نے کہا حضرت یہاں بیت الخلاء کافی فاصلے پر ہے لیکن مسجد کا پیشاب خانہ اور غسل خانہ بالکل قریب ہے آپ اسے اپنے لئے بیت الخلاء میں تبدیل کر لیں تو آپ کو آسانی کے ساتھ قریب میں جگہ مل جائے گی۔

حضرت نے فرمایا معلوم نہیں کہ مجھے اپنے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ اول تو خود ہی بڑے آدمی تھے لیکن فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ سوال نامہ لکھ کر دیو بند یا سہارنپور روانہ کیا جائے دیکھیں کہ وہاں سے کیا جواب آتا ہے۔

مجلس میں مفتی شفیع صاحب بھی موجود تھے کہا گیا کہ اس کے لئے اول تو خود آپ ہی کافی ہیں اور ویسے یہاں مفتی صاحب بھی ہیں ان سے پوچھ لیا جائے آپ نے فرمایا کہ مرید کا فتویٰ اپنے شیخ کے حق میں معتبر نہیں ہے۔

مرید کو اپنے شیخ سے محبت ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ محبت کے جذبات میں کسی رائے قائم کی جائے کہ جس میں کچھ اضافہ ہو۔ اس لئے سہارنپور اور دیو بند فتویٰ لکھا جائے جو آئے اس پر عمل کیا جائے۔ دیکھیے فتویٰ پر عمل کرنے والے بھی کیسے اعلیٰ متقی تھے۔

بہر حال فتویٰ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ فتویٰ اس طرح دیا جائے کہ ماحول کا کوئی اثر قلب پر نہ ہو اثر یہ ہو کہ اللہ کے دین کا تقاضا کیا ہے۔

مفتی محمود الحسن صاحب کی یہ صلاحیت مجھے یاد آئی ہے۔

انہوں نے فتووں کی قدیم مراسلت اور خط و کتابت بھی دکھلائی تھی اسے دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا تھا۔

مفتی صاحب کے ذریعے یہاں کے مضافات میں الحمد للہ بڑا کام ہوا ہے اور بڑی اصلاح ہوئی ہے۔

یہ مدرسہ ان کی یادگار ہے جو مانا اپنا ابتدائی منزل طے کر کے اب دوسری منزل میں

داخل ہوا ہے یا ہو چکا ہے۔

ہمارے پاس مدارس کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ تعلیم القرآن۔ دوسرا درجہ علوم اسلامیہ وعلوم دینیہ تیسرا درجہ اخلاق کا تزکیہ اور تربیت۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لے آئے تو اللہ نے آپؐ پر تین ذمہ داریاں ڈالیں جیسا کہ قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔

ربنا وابعث فیهم رسولاً منهم یتلوا علیهم اٰیٰتک و یعلمهم الکتٰب والحکمة و یزکیهم انک انت العزیز الحکیم

اس آیت کریمہ میں ان تینوں باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام کا سب سے پہلا اور بڑا مدرسہ اصحاب صفہ کا ہے۔

جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ کے قریب ایک چبوترے پر قائم تھا۔ جس میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین علم حاصل کیا کرتے تھے۔ صفہ کیا ہے؟ یہ کہتے کہ عربی میں چبوترے کا نام تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا تعلق صوف سے ہے۔ صوف کے معنی اون کے ہیں۔ عام طور پر وہ صحابہ جنہوں نے اپنی زندگی دین کے لئے وقف کر دی تھی وہ اون کی چادر اور اون کی ٹوپی پہنا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب وقت ملتا تھا تو آپ انہیں قرآن یاد کراتے تھے اس کے مطالب بتاتے تھے اور اسی کے مطابق اخلاق کی تربیت فرماتے تھے۔

پھر روئے زمین پر جہاں کہیں مدارس دارالعلوم اور جامعات قائم ہوئے وہ اسی مقصد کے پیش نظر قائم ہوئے۔

بہرحال پہلا کام آیات کی تلاوت کا ہے۔ یہ بہت ہی اہم کام ہے لوگ اس کی حقیقت و اہمیت سے واقف ہی نہیں ہیں۔

ایک عبارت کہ جس کی تلاوت جب تک صحیح طریقے پر نہ کی جائے آپ اس کی مراد اس کے معنی اور اس کا مطلب کیسے نکال سکتے ہیں۔

اگر آپ نے تلاوت کا صحیح طریقہ اختیار نہیں کیا تو پھر معنی بھی ذہن سے آسمان

آسمان سے زمین بن جائیں گے۔

تقسیم سے پہلے ڈاکٹر جناب ذاکر حسین صاحب جو بھارت کے صدر بھی رہ چکے ہیں ایک جمعرات کو نظام الدین میں حضرت مولانا الیاس علیہ الرحمۃ کے پاس آئے۔ فرمانے لگے ہمارے ہاں تعلیم قرآن کی کلاسیں جاری ہوگئی ہیں۔ ایک ایک بچے کے لئے وقت کا دینا مشکل ہے اس لئے بورڈ پر لکھ کر پڑھا دیا جائے تو کیسا ہے کیا یہ مناسب ہے کیونکہ اس صورت میں یک وقت ڈھائی سو بچے پڑھ لیں گے۔

میں نے کہا اس سے نقصان ہوگا اس لئے کہ کتاب اللہ کی تلاوت میں سب سے بڑا مسئلہ تلفظ کا ہے کہ عبارت کو کہاں ختم کیا جائے اور کہاں ملا کر پڑھا جائے۔ بعض مقامات پر ملا کر پڑھا جاتا ہے تو بعض مقامات پر ملا کر نہیں پڑھا جاتا ہے۔

ادھر کا لفظ ادھر کا لفظ ادھر کرنے پر کبھی کفر کے معنی تک پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس بے ترتیبی کی وجہ سے نماز بھی کبھی فاسد ہو جاتی ہے قرآن کی آیت ہے۔

لست علیهم بمصیطر الا من تولی و کفر فیعذبه الله العذاب الاکبر

یہاں الا من تولی و کفر پر کسی نے سانس توڑ دی تو معنی الٹے ہوں گے معنی یہ ہوں گے کہ اے محمدؐ آپ کا کام اللہ کے دین کو پہنچانا ہے۔ آپ ان پر داروغہ مقرر نہیں کئے گئے ہیں۔

ہاں جس نے اعراض کیا اور کفر کیا۔ اس کو داروغہ بننے کا مقام حاصل ہے۔ اس کا مطلب نعوذ باللہ یہ ہوگا کہ کافر جو داروغہ بنایا جائے گا اور کافر کا مقام آپؐ سے اونچا ہوگا۔

حالانکہ آیت کے یہ معنی نہیں ہیں۔ یہ معنی اس لئے ہیں کہ آپ نے وقف وہاں کیا ہے جہاں نہیں کرنا چاہئے تھا۔

آیت کے اصل معنی یہ ہیں کہ اے محمدؐ آپ کا کام اللہ کے دین کو پہنچانا ہے آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔

رہی یہ بات جو اعراض کرتے ہیں اور کفر کرتے ہیں آپ ان کی پرواہ مت کیجئے اللہ انہیں سزا دے گا۔ یہاں الا من تولی و کفر کا تعلق فیعذبه الله سے ہے۔

اس لئے الفاظ کی تلاوت صحیح کی جائے کہ کہاں الفاظ ختم ہوتے ہیں کہاں ختم نہیں

ہوتے ہیں کہاں سانس توڑنا ہے کہاں نہیں جب تک تلاوت کے طریقے نہ جانیں گے تو ہم کتاب اللہ کا صحیح مطلب نہیں نکال سکیں گے۔

اس لئے کتاب کی تعلیم اس نوعیت سے دی جائے کہ الفاظ کا تلفظ صحیح ادا کیا جا سکے۔ عام طور پر ناظرہ اور حفظ کے لئے مکاتب قائم ہیں۔ اسی طرح دوسری خدمت کے لئے دارالعلوم اور جامعات ہیں جہاں علوم اسلامیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

تیسری چیز اب جس کی کمی ہوتی جا رہی ہے وہ ہے تربیت اخلاق تزکیہ نفس اور اخلاق کی پاکی و صفائی۔

کتابی علم پڑھا کر کسی عالم کو چھوڑ دیا جائے اور وہ اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر اخلاق کو پاک و صاف نہ کرے تو ہمارا تجربہ ہے کہ ایسے عالم کے علم سے عموماً نقصان ہوگا فائدہ کم ہوگا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے بخاری کے درس کے دوران فرمایا علم کی خاصیت ہے بلندی جیسے آگ کی خاصیت ہے بلندی آپ آگ کنویں میں جلائیے وہ اوپر ہی آئے گی۔ مٹی کی خاصیت ہے پستی۔ آپ مینار پر مٹی اڑائیے وہ نیچے ہی جائے گی۔ اسی طرح علم کی خاصیت بلندی ہے حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ جس عالم نے کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر اخلاق کو پاک و صاف نہ کیا ہو تو وہ اپنے وقت کا مغرور و متکبر ہوگا اور اس کے علم سے خلق خدا کو فائدہ نہیں ہوگا بلکہ بسا اوقات اس سے نقصان ہی ہوگا۔

میرے دوستو! ہم نے اپنی زندگی میں ایسے لوگوں کو دیکھا ہے اور تاریخ میں پڑھا ہے کہ وہ کتابی علم کے اعتبار سے بہت بڑے عالم تھے لیکن کارناموں کے لحاظ سے سیاہ کار۔ ملا مبارک ناگوری اکبر کے زمانے کا ہے مولانا مناظر حسن گیلانی کے الفاظ ہیں وہ اتنا بڑا محدث تھا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور اس کے درمیان صرف دو تین ہی واسطے تھے۔

لیکن اس نے اکبر کے اشارے پر تفسیر لکھی جس میں اس نے بڑی فرسودہ قسم کی باتیں کہہ کر اکبر کے نظریے پیش کئے۔

اور جب دین الٰہی کا اجراء ہوا ہے تو وہ بھی اس میں شامل رہا ہے لیکن ملا مبارک کے شاگردوں میں بعض شاگرد ایسے تھے جنہوں نے جب تاریخ لکھی تو اپنے استاد کی خبروں سے مذمت کی۔

ملا عبدالقادر بدایونی ملا مبارک کے شاگرد ہیں انہوں نے تاریخ لکھی وہ ان کے
وصال کے بعد شائع ہوئی جس میں انہوں نے اپنے استاد کا ذکر کیا ہے تو ان الفاظ میں کیا
ہے۔ سن لیں آپ۔

تو اے مرد سخن پیشہ بہر چہ مستی داری   زدین حق بماندی بہ غیر از سخن دانی

تیرے اندر صرف بولنے کی طاقت ہے تو اس طاقت سے حق کو باطل اور باطل کو حق
بتاتا ہے بس تو تو اللہ کے دین سے ہٹ چکا ہے۔

چہ سستی دیدی از سنت کہ رخ سوئے بے دنیاں
چہ تقصیر آمد از قرآن کہ گردی گرد لالانی

سنت رسول میں تجھے کیا کھوٹ نظر آیا، قرآن میں تجھے کیا کھوٹ نظر آیا کہ تو نے اپنا
مذہب لالانی بنا لیا ہے۔ یعنی جو وقت کا تقاضا ہے تو اس کے ساتھ چلا جاتا ہے۔
میرے دوستو! آج بھی آپ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو آج ہمیں بھی ایسے ہی
فتنوں اور انسانوں سے سابقہ پڑ رہا ہے جو تزکیہ نفس کے قائل نہیں ہیں اور حضرات صوفیاء
اور علمائے ربانیین کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو یہ خود اپنے اخلاق کو کیا پاکیزہ بنائے۔
میرے دوستو! جس نے فقط کتابی علم حاصل کیا ہو اور اس کے موافق اخلاق کا تزکیہ
نہ کیا ہو تو ہمارا تجربہ ہے کہ ایسے عالم کے علم سے خلق خدا کو مسلمانوں کو اور اہل اسلام کو نقصان
ہی پہنچا ہے اس سے کبھی فائدہ نہیں پہنچا ہے۔
ہاں یہ تو ضرور ہوا ہے کہ جو اللہ والوں کی صحبت میں رہے ہوں ان کے اخلاق اور
اخلاص کے ذریعہ بستیاں کی بستیاں مسلمان ہو گئیں۔
حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اجمیر آئے وہاں ایک بھی مسلمان نہ تھا۔
میرے دوستو! آج ہر مسئلے کی تحقیق کی جا رہی ہے لیکن اس کی تحقیق نہیں ہوتی ہے کہ
اجمیر میں اسلام کیسے پھیلا حالانکہ اس دور میں نہ لاؤڈ سپیکر تھا نہ ریڈیو نہ پریس نہ روزنامے نہ
اخبار نہ چھاپہ خانے نہ رسائل کے وسائل۔ اس کے باوجود آخر وہ کونسی طاقت تھی کہ اس
علاقے میں لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلموں کو خواجہ صاحب نے مسلمان بنا دیا۔ آج قریہ کا

سامان موجود ہے' کتابوں پر کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ لٹریچر کا انبار لگا ہوا ہے آواز پہنچانے کے ذرائع موجود ہیں جلسے جلوس ہو رہے ہیں معاف کیجئے گا آج ہم سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کسی کچے مسلمان کو پکا مسلمان نہیں بنا سکے۔

تو غیر مسلم کو کیا مسلمان بنا سکیں گے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ پہلا مدرسہ تعلیم القرآن کا ہے۔ دوسرا مدرسہ یہ دار العلوم اور جامعات ہیں۔ تیسرا مدرسہ یہ خانقاہیں ہیں اللہ والوں کی کہ جہاں اخلاق کا تزکیہ کیا جاتا ہے۔ یہی تیسرا مدرسہ جو اصل میں روحانیت اور افادیت کی جڑ ہے اس کی طرف سے کچھ لوگوں نے غفلت برتی ہے حالانکہ اس کا ہونا اور اس کی طرف توجہ دینا نہایت ہی ضروری ہے۔ جب تک عملی طور پر تعلیم و تربیت کا نظام قائم نہ ہو اس وقت تک صحیح معنوں میں اصلاح مشکل ہوگی میں آپ سے کہتا ہوں کہ بازار میں باورچی خانہ نامی ایک کتاب ملتی ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ خشکہ کیسے پکتا ہے' بریانی کیسے پکتی ہے' فیرنی کیسے بنتی ہے۔ قتلمن کیسے بنتا ہے۔

آپ اسے یاد کر لیں لیکن اس کے بعد آپ کسی باورچی کے پاس رہ کر پکانا نہ سیکھیں تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ بریانی تو بڑی چیز ہے اس کتاب کے ذریعے سے آپ خشکہ بھی نہیں پکا سکیں گے۔

ایک آدمی فرانس سے آئی ہوئی کتاب کا مطالعہ کرے جس میں یہ لکھا ہو کہ قمیص اس طرح کاٹی جاتی ہے پتلون اس طرح کاٹا جاتا ہے لیکن وہ درزی کے پاس بیٹھ کر کاٹنا نہ سیکھا ہو تو خدا کی قسم اسے سوئی بھی پکڑنا نہیں آئے گا۔

میرے دوستو! یہ دین اللہ کا ہے اس کے لئے یہاں نمونے کی ضرورت ہوتی ہے اسی لئے اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں نمونہ بنا کر روانہ کیا ہے تاکہ لوگ آپ کو دیکھیں اور آپ کی زندگی کی نقل اتاریں۔ یہ سلسلہ واسطہ در واسطہ چلا آ رہا ہے۔ اس لئے اللہ والوں کی صحبت ضروری ہے کہ آپ اللہ والوں کو دیکھیں اور اسی کے موافق زندگی بسر کریں۔

صرف کتابی علم سے نہ کبھی فائدہ پہنچا ہے نہ ہی اس سے اس کی توقع ہے۔ جب تک کہ بزرگوں کی صحبت میں رہ کر ہم دین نہ سیکھیں دین جاننے سے نہیں سیکھنے سے آتا ہے۔

اللہ والوں کی صحبت سے آتا ہے۔ آپ کا یہ مدرسہ دوسری منزل میں ہے۔ تیسری منزل بھی انشاء اللہ طے کرے گا۔

مفتی صاحب کی اور ان اہل دولت و ثروت کی کہ جنہوں نے ان کا تعاون کیا ہے یہ بہترین یادگار ہے اب ہمارا اور آپ کا کام ہے کہ جو ان کا منصوبہ تھا اس منصوبے کے مطابق اس درسگاہ کو ہم ترقی دیں۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کے طریقے کے مطابق اور ان کے منصوبے کے مطابق کام کی توفیق عطا فرمائے۔

اللهم ارنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلاً و ارزقنا اجتنابه و صلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد و آله و اصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين.

نظام الٰہی

خطاب نمبر ۱۳

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیاٰت اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لآ الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولٰنا محمداً عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و اٰلہ و اصحٰبہ اجمعین

اما بعد. فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم.

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یاَیھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللّٰہ بقوم یحبھم و یحبونہٗ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللّٰہ ولایخافون لومۃ لآئم ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء واللّٰہ واسع علیم (پ ۶ سورۃ المائدۃ ع ۱۲)

صدق اللّٰہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العالمین.

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز

برصغیر میں سوتھ انڈیا، مشرقی بنگال اور صوبہ سرحد کے علاقوں کے اندر میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ مسلمانوں میں، مردوں میں بھی اور عورتوں میں بھی، جوانوں میں بھی اور بوڑھوں میں بھی سب میں دین کا بڑا شوق اور دین سے بہت زیادہ دلچسپی ہے۔ آج سے کوئی بیس پچیس سال پہلے جب میں حاضر ہوا تھا تو اس بات کا مجھے اندازہ تھا لیکن بیس پچیس سال بعد اب میں اپنے اندر ہمت نہیں پاتا ہوں کہ آپ کے جذبے اور گرم جوشی کے موافق پروگرام پیش کر سکوں اور اس کا خیر مقدم کر سکوں۔

اس پر مجھے شرمندگی ہے اور آپ حضرات ماشاء اللہ ایک جگہ سے دوسری جگہ دوسری جگہ سے تیسری جگہ تیسری جگہ سے چوتھی جگہ آتے ہوئے تھکتے نہیں ہیں۔

لیکن میری آواز میرا گلہ بیان کرتے ہوئے تھک گیا ہے ویسے انسان ہر وقت ہر حالت میں نہیں رہتا ہے۔ خواجہ صاحب کا قطعہ ہے:

رات دن تو ہیں گردش دوراں کیا رہے گی یہ فصل گل یکساں
تا بکے آئے گا نہ دور خزاں پھول چن لو کہ پھر بہار کہاں

اس لئے میں آپ کے جذبے اور جوش کے مطابق بیان کے ذریعہ آپ کی خدمت سے قاصر ہوں۔

فارسی کا ایک عارف شاعر کہتا ہے۔

داماں نگہہ تنگ وگل حسن تو بسیار گل چین تو از تنگی داماں گلہ دارد

پھول بہت ہیں مگر میرے دامن میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ سب کو سمولوں۔ آپ کی گرم جوشی کا خیر مقدم کرتا ہوں مگر میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ کی طرح میں جوان نہیں ہوں اس لئے جتنی دیر آسانی کے ساتھ عرض کر سکوں عرض کروں گا اس کے بعد معذرت چاہوں گا۔

بہر حال اس وقت میں نے قرآن کریم کی چند آیتیں آپ کے سامنے پڑھی ہیں۔ اس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ کی یہ کائنات یہ زمین یہ آسمان یہ چاند یہ سورج اور ان کا انظام ایک اصول کے ساتھ چل رہا ہے۔

ویسے ہی اندھا دھند نہیں ہے ایک مضبوط قسم کا نظام ہے ایک بال برابر ادھر سے ادھر کر دیا جائے تو سارا انظام دھڑام سے گر جائے گا قرآن کریم میں اللہ نے ایک مقام پر مختلف چیزوں کی قسم کھائی ہے فرمایا گیا ہے۔

والشمس وضحٰها والقمر اذاتلٰها والنهار اذاجلٰها والليل اذايغشٰها والسمآء و مابنٰها والارض وما طحٰها و نفس وماسوٰها فالهمها فجورها و تقوٰها قد افلح من زكٰها

قسم ہے سورج کی قسم ہے چاند کی۔ قسم ہے دن کی۔ قسم ہے رات کی۔ قسم ہے آسمان کی۔

قسم ہے زمین کی۔ قسم ہے انسان کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ سورج کا نظام چاند کا نظام رات دن کا نظام زمین و آسمان کا نظام خاص اصول کے ساتھ چل رہا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کائنات کا مستقل ایک نظام ہے جب تک یہ نظام اصول کے مطابق ہے تو یہ نظام قائم رہے گا۔

جہاں اس میں تبدیلی آئے گی تو پھر سب ختم۔

ان چیزوں کے ذکر کے بعد انسان کے نفس کا بھی اللہ نے ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ انسان کا نفس ایک خاص نظام سے چلتا رہے گا تو یہ درست رہے گا اور جب یہ اپنی لائن سے ہٹ جائے گا تو اس کی زندگی بگڑ جائے گی۔

یہاں اللہ تعالی بتا رہے ہیں کہ جس طرح اس کائنات ارض و سما کی رفتار کے لئے ایک اصول ہے۔ اسی طرح انسانی زندگی کے لئے بھی شریعت اسلامیہ کا ایک نظام ہے کہ دیکھو ہمارا یہ حکم ہے یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے یہ حلال ہے یہ حرام ہے۔

میرے دوستو یہ بھی ایک ضابطہ ہے یہ بھی ایک مضبوط نظام ہے یہ بھی ایک مضبوط قلعہ ہے اس نظام کے اندر ذرا بھی اگر گڑبڑ آ جائے تو اللہ کی طرف سے تبدیلی آ جائے گی۔ انقلاب آ جائے گا جس کو آج کل کی سیاسی زبان میں کہتے ہیں کہ قوم میں انقلاب آ گیا ہے۔ ملت بدل گئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کی ان آیتوں میں امت کے انقلاب کا ضابطہ بیان کیا ہے۔

آپ یہ جو دیکھتے ہیں کہ ایک قوم کبھی آسمان پر ہے تو کبھی زمین پر ہے۔ کبھی عروج پر ہے تو کبھی پستی میں ہے اور کبھی ترقی میں ہے آپ اسے کیا سمجھتے ہیں نعوذ باللہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کو ویسے ہی شوق ہے کہ وہ کسی قوم کو اوپر اچھال دیتے ہیں اور کسی قوم کو نیچے پٹخ دیتے ہیں ایسا نہیں بلکہ ایک فرد سے لے کر قوموں اور امتوں تک کے لئے اللہ نے ایک ضابطہ اور ایک اصول بنایا ہے۔

جیسے ایک آدمی تندرست بھی ہوتا ہے بیمار بھی ہوتا ہے ایک آدمی جوان بھی ہوتا ہے بوڑھا بھی ہوتا ہے۔ کوئی کینسر میں مبتلا ہے تو کوئی ٹی بی میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی مر بھی جاتا ہے۔

اسی طرح قومیں دنیا میں پیدا بھی ہوتی ہیں جوان بھی ہوتی ہیں بوڑھی بھی ہوتی

ہیں۔ بیمار بھی ہوتی ہیں۔ تندرست بھی ہوتی ہیں اور کبھی مر بھی جاتی ہیں۔

علامہ اقبال نے سوال کیا؟ فرمایا۔

زندہ ہے مشرق تری گفتار سے — امتیں مرتی ہیں کس آزار سے

قوموں کے مرنے کی بیماری کونسی ہے۔ وہ کونسا مرض ہے جس سے دنیا میں قومیں اور ملتیں مرجایا کرتی ہیں۔

علامہ اقبال نے سوال بھی قائم کیا ہے اور جواب بھی دیا ہے۔ فرمایا

ہر ہلاک امت پیشیں کہ بود — زاں کہ برجندل گماں بردند عود

جندل ٹھیکری کو کہتے ہیں عود خوشبودار چیز کو کہتے ہیں۔

قوموں کے مرنے کی ایک ہی بیماری ہے ایک ہی مرض ہے اگر قوم جہالت کی اس منزل پر پہنچ جائے کہ اس میں یہ تمیز باقی نہ رہے کہ جندل کیا ہے۔ عود کیا ہے۔ جندل اور عود میں فرق نہ کر سکے۔ بھلے برے میں تمیز نہ کر سکے گھوڑے اور گدھے میں فرق نہ کر سکے اگرچہ قوم کے افراد زندہ ہوں قد وقامت والے آدمی ہوں بہترین لباس پہنتے ہوں اعلیٰ درجے کے مکانوں میں رہتے ہوں مگر شاعر کہتا ہے کہ قوم کی حالت اگر ایسی ہو کہ وہ تمیز نہ کر سکے تو قوم بحیثیت قوم کے مرگئی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں میں جو انقلاب اور تبدیلی آتی ہے اس انقلاب اور تبدیلی کا بھی ایک ضابطہ ہے ایک اصول ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سلطنت اناؤ نگر کے راجہ کی حکومت نہیں ہے۔

اناؤ نگر کے راجہ کی حکومت میں ایک ریاست تھی۔ اناؤ نگر کا راجہ بڑا دولت مند تھا لیکن اس کی سرزمین بے آئین۔ اس کی سلطنت کا کوئی اصول نہیں تھا وہاں کی خصوصیت یہ تھی کہ بازار جاؤ تو ہر چیز ایک روپے میں سولہ سیر ملتی تھی۔

ایک گرو اور اس کے چیلے کا گزر وہاں ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ عجیب ملک ہے کہ ہر چیز ایک روپے میں سولہ سیر کی مل رہی ہے۔ گھی لو ایک روپے میں سولہ سیر آٹا لو تو ایک روپے میں سولہ سیر دودھ لو تو ایک روپے میں سولہ سیر۔

گرو کا جو چیلا تھا کہنے لگا گرو جی جی چاہتا ہے کہ کچھ دن یہاں میں قیام کروں۔
گرو جی نے کہا بیٹا میں تو اتنی بات جانتا ہوں کہ جہاں گدھے گھوڑے سب برابر ہوں وہ جگہ رہنے کی نہیں ہے۔ ہر چیز دیکھو ایک روپے کی سولہ سیر ہے۔ چیلے نے کہا جی بات تو ٹھیک ہے لیکن آخر یہ بھی تو دیکھیے کہ مکھن ایک روپے کا سولہ سیر ہے۔
کہ سے تم پیٹ بھر کے مکھن ہی کھائیں۔ گرو جی نے کہا ہم نے تو اصول کی بات بتائی ہے باقی تیرا جی چاہتا ہے تو ٹھیک ہے۔ یہ جو چیلا تھا ایک روپیہ کا سولہ سیر مکھن کھا کر ماشاء اللہ بالکل گینڈا بن گیا۔
ایک مرتبہ وہاں کی اس سلطنت میں ایک مکان گر گیا اور کچھ آدمی دب کر مر گئے انہوں نے استغاثہ کیا عدالت میں گئے راجہ صاحب کے پاس گئے تو راجہ صاحب نے کہا یہ قصور کس کا ہے کہا گیا کہ مالک مکان کا ہے۔ مالک مکان آیا اور اس نے کہا کہ میرا کوئی قصور نہیں میں تو گھر بیٹھے احکام جاری کرتا تھا یہ سارا قصور تو راج مزدوروں کا ہے۔ راجہ صاحب نے تم ٹھیک کہتے ہو۔ قصور ان راج مزدوروں کا ہے اب ان راج مزدوروں کو بلایا گیا۔
مستری صاحب آئے راجہ صاحب نے کہا کیوں نہ تم کو پھانسی دے دی جائے کہ تم نے ایسا مکان بنایا کہ وہ گر گیا اور لوگ مر گئے۔
مستری صاحب نے کہا حضور میرا کوئی قصور نہیں۔ میرا کام تو اینٹ پر اینٹ رکھنے کا تھا۔ سارا قصور تو اس مزدور کا ہے جس نے مسالہ پتلا بنایا تھا۔ راجہ صاحب نے کہا تم بھی صحیح کہتے ہو۔ بلاؤ اس مزدور کو بیچارہ مزدور آتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور میرا بھی کوئی قصور نہیں میں تو جب پانی ڈالتا تھا تو مشک کے منہ کو تاریو میں رکھ کر ڈالتا تھا۔ مگر وہاں سے روزانہ ایک ہاتھی گزرتا تھا اور وہ زیورات پہنے ہوئے ہوتا تھا زیورات کی جھنکار ایسی ہوتی تھی کہ میں چونک جاتا تھا اور اس کی وجہ سے ہاتھ سے مشک کا منہ چھوٹ جاتا تھا اور سارا پانی گارے میں گر جاتا تھا۔
الا ونگر کے راجہ صاحب نے کہا کہ اصل میں سارا قصور اس سنار کا ہے جس نے یہ بجنے والے زیور بنائے تھے کہا گیا کہ بلاؤ اس سنار کو۔ اب سنار صاحب پکڑے ہوئے لائے گئے۔
عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جن کے پاس دولت زیادہ ہوتی ہے تو ان کو خود کھانے کو

زیادہ میسر نہیں آتا وہ سنار ایسا ہی تھا کہ دولت جمع کر کے رکھتا تھا لیکن کھاتا کچھ نہیں تھا۔ بالکل وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا راجہ صاحب نے حکم دیا کہ اس سنار کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔

پولیس والے تو اسے لے گئے لیکن پھر واپس لے آئے اور کہنے لگے کہ حضور یہ تو ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے پھانسی کا پھندہ اس کے گلے میں تو آتا نہیں۔ آپ بتائیں کہ کیا کریں۔

اناؤ نگر کے راجہ نے کہا اچھا کسی موٹی گردن والے کو ڈھونڈ کے لاؤ اور اسے اس پر چڑھا دو اس کے گلے میں تو پھندہ فٹ ہوتا نہیں۔ دیکھو کسی اور کے گلے میں فٹ ہو جائے۔ اب پولیس تلاش میں نکلتی ہے تو دیکھتی ہے کہ ایک جگہ ایک نہایت مسٹنڈا آدمی بیٹھا ہوا ہے۔

ارے وہ کون تھا جو ایک روپے کا سوا سیر مکھن کھاتا تھا۔ پولیس گئی اور اس نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے کہا بھائی یہ تو بتاؤ کہ میرا کیا قصور ہے۔ پولیس نے کہا قصور تو کچھ نہیں۔ بس یہ کہ تیری گردن میں پھانسی کا پھندہ ٹھیک آتا ہے۔

وہ کہنے لگا بھائی گرو نے تو واقعی بات سچی کہی تھی کہ جہاں گھوڑے گدھے سب برابر ہوں وہ جگہ رہنے کے قابل نہیں۔ اس نے کہا اچھا اتنا تو کرو کہ مجھے اپنے گرو کے پاس جانے دو کہا اچھا چلو گرو کے پاس وہ گیا اور روتے ہوئے کہا جی حضور آپ نے صحیح کہا تھا گرو نے کہا۔ ہوا کیا چیلے نے کہا میں وہاں بیٹھا ہوا تھا پولیس والے آئے اور انہوں نے مجھے پکڑ لیا میں نے کہا قصور کیا ہے کہتے ہیں کہ قصور کچھ نہیں ہے ہاں اتنی بات ہے کہ وہ جو پھانسی کا پھندہ ہے وہ تمہارے گلے میں فٹ آتا ہے کیوں کہ تم موٹے ہو اب کیا کریں۔

میرے دوستو! یاد رکھیے کہ استاد کے پاس کوئی نہ کوئی گر باقی رہتا ہے۔ آپ یہ بھی یاد رکھیے کہ جو استاد کے بغیر فن سیکھنا چاہتے ہیں اور جو استاد کے بغیر کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں وہ کبھی صحیح معنوں میں علم حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔

آج بعضے کہتے ہیں ابھی پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ آج کل کے نوجوان تو کہتے ہیں کہ پڑھنے اور سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے ہم تو اسٹیڈی کے آدمی ہیں اسٹیڈی کے آدمی کون ہیں۔ یہ وہی حضرات ہیں جو استاد کے بغیر اردو ترجمے کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا۔ ایسے ہی ایک صاحب کی

مقام پر نماز پڑھا رہے تھے اتفاق سے ایک مولوی صاحب نماز میں شریک ہو گئے انہوں
نے دیکھا کہ امام صاحب خوب جھوم جھوم کے نماز پڑھا رہے ہیں۔

مولوی صاحب نے سوچا کہ آخر کیا بات ہے کیا انہیں کوئی بیماری ہے اور جب انہوں
نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ ٹخنے کے پاس دو کتے بندھے ہوئے ہیں مولوی صاحب امام صاحب
کے پاس گئے پوچھا یہ کتے کیسے بندھے ہوئے ہیں امام صاحب نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم
نے حدیث نہیں پڑھی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ہم نے تو ایسی حدیث نہیں پڑھی ہے کہ
کتے باندھ رکھو۔ انہوں نے کہا حدیث میں آتا ہے۔ لاصلوٰۃ الا بحضور القلب نماز
نہیں ہوتی ہے جب تک کہ قلب حاضر نہ ہو۔ بڑے کاف سے تو بڑے کتے کو کہتے ہیں وہ تو
مجھے نہیں ملے اس لئے میں نے دو چھوٹے کتے لے لئے۔ امام صاحب نے استاد
سے تو نہیں پڑھا تھا وہ تو اسٹڈی تھی۔ یہ ان کا اجتہاد تھا اور یہ ان کی معلومات تھیں۔

مولوی صاحب نے کہا یہاں تو آپ کی جہالت معلوم ہو گئی ذرا یہ تو بتایئے کہ آپ
جھوم کیوں رہے تھے۔

کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بھی آپ نے نہیں پڑھی ہے مولوی صاحب نے
کہا کہ نہیں وہ کتاب اٹھا لے آئے۔ اردو میں ترجمہ لکھا ہوا تھا حدیث یہ تھی من ام قوماً
فلیخفف صلاتہ جب کوئی کسی قوم کی امامت کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی نماز ہلکی پڑھے۔
اس زمانے میں گول۔ ی نہیں لکھتے تھے۔ بلکہ یے لکھتے تھے۔ انہوں نے اس کا یہ
ترجمہ کیا کہ جو کوئی کسی قوم کی امامت کرے اسے چاہیئے کہ وہ اپنی نماز ہلکی پڑھے۔

وہ صاحب دام۔ یہ اسٹڈی کا اسلام ہے بغیر استاد کے پڑھنے والوں کا یہ اسلام ہے۔
خیر میں یہ کہہ رہا تھا کہ استاد ہمیشہ کوئی گر رکھتا ہے گرو نے کہا ایک شکل ہے بچنے کی۔
تم نے کہا نہیں مانا اور ایک روپیہ کا لحاظ نہ کیا کہ تم نے اپنی گردن موٹی کر لی۔ اس کی سزا تو
اب بھگتنی پڑے گی۔

خیر وہ شکل یہ ہے کہ جب تمہیں پھانسی پر چڑھانے کے لئے لے جایا جائے گا تو میں
بھی وہاں پہنچ جاؤں گا اور وہاں پر ہم تم دونوں کے دونوں آپس میں کشتی لڑیں گے۔ چنانچہ

یہ طے ہو گیا پتہ نہیں کہ یہ گرو کیا کرے گا۔

پھانسی دینے کے لئے اندو نگر کا راجہ بھی آ گیا اور اسٹاف بھی آ گیا۔ اس چیلے کو بھی لے آئے اور گرو بھی پہنچ گئے۔ جب اسے سولی پر لٹکانے کے لئے لے جایا گیا تو گرو اور چیلے کے اندر کشتی ہونے لگی۔ خوب جھگڑا ہونے لگا۔ راجہ صاحب نے کہا کیا قصہ ہے کہا گیا کہ پتہ نہیں۔

جس سا یہ دونوں آپس میں لڑ رہے ہیں راجہ صاحب نے کہا تم دونوں کیوں لڑ رہے ہو۔ گرو نے کہا حضور یہ گھڑی ایسی مبارک گھڑی ہے کہ اس میں جو پھانسی پر چڑھے گا وہ سیدھے جنت میں جائے گا میں کہہ رہا ہوں کہ یہ موقع مجھے دے دو یہ چیلا کہتا ہے کہ یہ موقع مجھے دیدو۔ ہمارا اسی مسئلے میں جھگڑا ہو رہا ہے۔

راجہ صاحب سوچنے لگے اور کہا کہ اگر واقعی یہ مبارک گھڑی ہے تو ان دونوں کو ہٹاؤ یہ موقع مجھے دیدو میرے گناہ کیسے پاک ہوں گے راجہ صاحب نے کہا کہ میں آپ دونوں سے درخواست کرتا ہوں کہ یہ موقع مجھے دے دیں۔ تاکہ میں پاک ہو جاؤں اور جنت میں پہنچ جاؤں۔ گرو اور چیلے نے کہا بہت اچھا آپ کے بڑے احسانات ہیں ہم پر آپ اگر ہمیں جنت میں بھیجنا نہیں چاہتے ہیں تو جائیے آپ ہی جائیے۔ چنانچہ پھانسی پر چڑھا دیا گیا اندو نگر کے راجہ کو۔ دیکھا آپ نے قصور کس کا سزا کس کے لئے پھانسی پر کون چڑھ جاتا ہے آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی حکومت بھی اس راجہ کی حکومت کی ہے کہ یہاں اللہ میاں جس قوم کو چاہتے ہوں اسے چڑھا دیتے ہوں اور جس قوم کو چاہتے ہوں اسے پستی میں اتار دیتے ہوں نہیں یہ نہیں یہاں اصول ہے ضابطہ ہے۔ جب ضابطہ اور اصول ہے تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس ضابطے اور اصول کو بیان کر رہے ہیں یہ آیت قرآن کریم کی قانون انقلاب اصولی ہے۔

یہاں اصول میں انقلاب کا ضابطہ بیان کیا گیا ہے یہ قانون بیان کیا گیا تھا غزوہ احد کے موقع پر یہ اسلام کا بہت بڑا مشہور غزوہ ہے اس سے پہلے بھی جہاد ہو چکا تھا جس کا نام جنگ بدر ہے۔

جنگ بدر ایک ایسی جنگ تھی جس نے تاریخ اسلام کا رخ بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس لئے کہ جنگ بدر میں جس قافلہ تجارت کا محاصرہ کیا گیا تھا وہ ایسا قافلہ تھا کہ جس میں کہ

کے ہر فرد کا سرمایہ لگا ہوا تھا۔ وہ قافلہ تجارت مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔

بعض اسلام کے مخالف کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے اسلام کا تعارف دو طرح سے کیا ہے۔ ایک نکاح کے نام پر عیاشی کرو۔ ایک جہاد کے نام پر غارت گری اور لوٹ مار کرو۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں بالکل بے بنیاد ہیں۔ کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام اور شریعت کا مکمل نمونہ ہیں۔ آپ ایمانداری سے بتایئے کہ سرکار دو عالمؐ نے سب سے پہلے نکاح کس سے کیا ہے۔ اور اس وقت آپ کی عمر کتنی رہی ہے۔ میرے دوستو آپ کی عمر پچیس سال کی تھی تو پہلا نکاح آپؐ نے اس عمر میں فرمایا ہے۔ یہ عمر تمام صحت اور تندرستی کے لحاظ سے بہت ہی مناسب عمر ہے۔ اگرچہ ہم صحت کے لحاظ سے اتنے مضبوط نہیں ہیں شیخ بوعلی سینا نے لکھا ہے کہ جو تندرستی آپ کو عطا کی گئی ہے وہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے کسی کو نہیں دی گئی۔ آپؐ اتنے صحت مند کہ آپ نے کبھی بھی علاج نہیں فرمایا یہ بھی یاد رکھیے۔ کہ تندرستی خراب ہوتی ہے تو پسینے سے بدبو آتی ہے۔ زیادہ خراب ہو تو زیادہ بدبو آتی ہے۔ تندرستی اچھی رہتی ہے تو پسینے میں بدبو نہیں ہوتی ہے اور زیادہ اچھی ہو تندرستی تو پسینہ بھی اچھا ہوتا ہے آپ اندازہ لگایئے کہ آپ کو ایسی صحت دی گئی کہ جو آدم کی اولاد میں اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر کسی کو نہیں دی گئی۔

کیا آپ کو اس پر شبہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے میں گلاب کی خوشبو آتی تھی کوئی شک کی بات نہیں قدرتی بات ہے بیمار کا پسینہ بدبودار ہوتا ہے صحت اور توانائی اگر اعلیٰ درجے کی ہو تو اس میں سے خوشبو آتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے جو پسینہ نکلتا تھا اس سے تو گلاب کی خوشبو بھی آتی تھی۔

میرے دوستو آپ کی صحت کا یہ عالم ہے مگر آپؐ نے پہلا نکاح ایک ایسی خاتون سے کیا جو عمر میں آپؐ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی عمر چالیس سال کی ہے۔ آپ بھی خبر رکھتے ہیں آپ جانتے ہیں کہ عورت کے لئے چالیس سال کی عمر بڑھاپے کی ہوتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے عالم میں جس بے نفسی کا اظہار کیا ہے خدا کی قسم اس کی مثال روئے زمین پر کیا کوئی دے سکتا ہے؟ ہم میں بڑے مشائخ ہیں صوفی ہیں۔ عارف ہیں۔ آج کسی سے یہ کہا جائے کہ مولوی صاحب آپ اس سے نکاح فرمالیں جس کی عمر آپ سے بڑی ہے۔ وہ کہیں گے ہم ایسی عورت سے نکاح نہیں کریں گے اس لئے کہ شیخ سعدی نے منع کیا ہے کہ زن بیوہ مکن گرچہ حور است۔

میرے دوستو! حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ دو شوہروں سے بیوہ ہیں اور دونوں سے اولاد ہے اور عمران کی چالیس سال کی ہے لیکن حضورؐ نے ان سے نکاح فرمایا۔ آپ کی بیویوں میں سے ایک ہی بیوی تھی جو باکرہ تھی۔

یورپ والے کہتے ہیں کہ اسلام عیاشی کا مذہب ہے کہتے ہیں کہ اسلام نکاح کے نام پر عیاشی سکھاتا ہے۔ لیکن انصاف تو کیجئے آپؐ نے پچیس سال کی عمر میں پہلا نکاح کیا ہے۔ اس کے بعد ترپن سال تک کسی اور سے آپؐ نے نکاح نہیں کیا آپؐ کے گھر سوائے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے دوسری بیوی نہیں آئی۔ اگر عیاشی کرنی ہوتی تو تیس سال میں آپؐ دوسرا نکاح فرماتے یا پینتیس سال میں نکاح فرماتے یا چالیس سال کی عمر میں نکاح فرماتے لیکن آپؐ نے ان دنوں میں کسی اور سے نکاح نہیں کیا۔

جب آپؐ کی زندگی کے چند سال ہی باقی رہ گئے تھے اس موقع پر آپؐ نے کئی نکاح کئے۔

آج ہمارے مسلمانوں میں جو لوگ عورتوں کو پریشان کرنے کے لئے کہا کرتے ہیں کہ حضورؐ کی اس سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

تو ایسے حضرات سے سوال کرنا چاہئے کہ باقی ساری سنتوں پر کیا وہ عمل کر چکے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو طائف میں پتھر بھی کھائے تھے اس پر کون عمل کرے گا کہتے ہیں کہ مولوی صاحبان اس پر عمل کریں گے۔

میرے دوستو! ایسا جو کہتے ہیں وہ سنت رسول کو بدنام کرتے ہیں۔ اس لئے کہ سنت رسولؐ یہ ہے کہ پہلی بیوی آپ کی بیوہ ہو عمر میں وہ آپ سے پندرہ سال بڑی ہو ستائیس سال تک آپ اس عورت کے ساتھ وقت گزاریں اس کے بعد سنت رسول پر عمل کرنے آگے بڑھیں۔

مجھے یقین ہے کہ اگر آپ نے ستائیس سال کے بعد مجھے اپنا پیغام بھیجا کہ نہ منہ میں دانت ہوں نہ پیٹ میں آنت۔

تو کوئی رشتہ ہی قبول نہ کرے گا۔

اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کا اعلا معیار بھی سن چکے ہیں۔ بہرحال آپؐ نے آخری عمر تک نو عورتوں سے نکاح کیا۔ حضرت ام سلمیٰؓ کے ہاں رسول اللہ نے پیغام نکاح بھیجا۔

ام سلمیٰؓ نے کہا یا رسول اللہ میں اتنی بوڑھی ہو چکی ہوں کہ لفظ نکاح سے بھی شرم آتی ہے لیکن آپؐ نے ان سے نکاح فرمایا۔

آپ کا یہ عمل عیاشی کے لئے نہیں تھا خواہشات کی تکمیل کے لئے نہیں تھا حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شریعت ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی باہر والی زندگی کو جمع کر لیا تھا لیکن رسول اللہ کی گھریلو زندگی جمع نہ ہوتی تھی۔ جمع ہو تو کیسے جمع ہو اور اگر جمع نہ ہو تو زندگی کا بہت بڑا اہم پہلو باقی رہ جائے گا۔ ویسے انسان کی خوبی اور اس کے اخلاق کا علم جس قدر بیوی سے ہو سکتا ہے دوسرے کسی اور فرد سے نہیں ہو سکتا ہے۔

انسان کے اخلاق کیسے ہیں۔ اس کی شہادت بہن نہیں دے سکتی ہے بہن تو یہی کہے گی کہ میری نظر میں بیا اچھا ہے لیکن یہ کل کو کسی عورت سے نکاح کرے گا تو بیوی کے ساتھ وہ کیسا ہے اس کی شہادت بہن نہیں دے سکتی ہے۔

ماں کہتی ہے کہ میرا بیٹا اچھا ہے لیکن کل کو وہ کسی لڑکی کا شوہر بنے گا تو وہ اس کے ساتھ کیسے رہے گا ماں گواہی نہیں دے سکتی ہے۔

جب تک کہ بیوی شہادت نہ دے۔

اسی لئے روس کی ایک عورت نے بڑا دلچسپ جملہ کہا تھا اس نے کہا میں بدقسمت ہوں اس لئے کہ جب میں بہو بنی تو ساس اچھی نہیں ملی ساس کسی کو اچھی ملتی ہی نہیں؟

اور جب میں ساس بنی تو پھر بہو اچھی نہیں ملی۔

میرے دوستو! انسان کی خوبی اور اس کے اخلاق کا صحیح علم جتنا بیوی سے ہو سکتا ہے وہ کسی اور سے نہیں ہو سکتا ہے۔

اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خیرکم خیرکم لاھلہ تم میں بہتر

وہ ہے جو اہل و عیال کے لئے بہتر ہو۔ بہترین انسان وہ شخص ہے جسے پبلک زندہ باد کہے۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی جمع نہ ہوئی تھی اور اس کا جمع کرنا ضروری تھا اور یہ کام گھر کی عورتیں ہی کر سکتی ہیں اس لئے آپؐ نے اپنی عمر کے آخری حصے میں نکاح فرمایا نہ عیاشی کا سوال ہے اور نہ عیش پرستی کا سوال ہے یہاں تو بس حفاظت اسلام اور تحفظ شریعت کا مسئلہ ہے اگر کوئی آپؐ پر نکاح کے ذریعہ عیاشی کا الزام لگائے تو خدا کی قسم اس سے زیادہ جھوٹ دنیا میں کوئی اور نہیں ہو سکتا ہے۔

اسی طرح جہاد کے نام پر جو الزام لگاتے ہیں وہ بھی جھوٹ ہے اور اس کے لئے کہتے ہیں کہ دیکھئے بدر میں قافلہ لوٹ لیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ قافلہ کے محاصرہ سے مقصود غارت گری اور لوٹ مار ہرگز نہ تھی۔

بلکہ اس کا مقصد کچھ اور ہی تھا۔

آپ یہ یاد رکھئے کہ بعض ملکوں کے درمیان ہتھیاروں سے لڑائی نہیں ہوتی ہے ہاں اقتصادی لڑائی ہوتی ہے۔

اگر اقتصادی طور پر ایک ملک کی کمر توڑ دی جائے تو ہتھیار اٹھانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ چنانچہ مشرکین مکہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی اقتصادیات کو تباہ کر دیا جائے۔

اسی طرح مدینہ کے لوگ چاہتے تھے کہ مشرکین مکہ کا قافلہ لوٹ لیا جائے تو تمام عمر کے لئے اقتصادی طور پر مشرکین مکہ کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ اس میں ان سب مشرکین مکہ کا سرمایہ لگا تھا۔ چنانچہ بدر میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی حالانکہ مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی مگر مسلمان ہی کامیاب رہے۔

یہاں سے تاریخ کا رخ بدل گیا۔ اور بہت سے لوگ جو چھتے سورج کی پوجا کرتے تھے انہیں اسلام کا مستقبل روشن نظر آیا وہ اسلام میں چلے آئے۔ یہود اسلام میں آئے نصاریٰ اسلام میں آئے مشرک بھی اسلام میں آئے۔ اگلے سال غزوۂ احد پیش آیا تو مشرکین نے طے کر لیا کہ ایک بار تو ہم مر چکے ہیں چلو ایک بار اور مقابلہ کر لیں۔ یا تو تخت یا تختہ۔

جنگ احد میں مسلمانوں کی تعداد بدر سے زیادہ تھی لیکن مسلمانوں کو شکست ہوگئی جس کی کافی تفصیلات ہیں۔

بہر حال جب مسلمانوں کو شکست ہوگئی تو کچھ لوگ جو ابھی اسلام میں آئے تھے مرتد

ہو گئے انہوں نے کہا بھائی ہم تو آگئے تھے اپنے ہی مذہب میں چلو اسلام کا مستقبل تو اچھا نہیں لگ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیت نازل کی۔

یاایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم۔

فرمایا گیا کہ اپنے دلوں میں یہ خیال قائم کرنے والو کہ ہم واپس چلے جائیں۔ دین سے اسلام سے مرتد ہو جائیں اسلام کو چھوڑ دیں تو کوئی بات نہیں۔ ہماری بات سن لو کہ اسلام کی سربلندی کا جہاں تک تعلق ہے وہ تمہارے وجود سے نہیں۔ اسلام ہر حال دنیا میں سربلند رہے گا۔ تمہارے ہاتھ نکلیں گے تو تمہاری سعادت مندی ہوگی اور اگر تمہارے ہاتھ نہ نکلیں تو نہ نکلیں تمہیں یاد رکھنا ایسی قوموں کو دھکا دے کر ہم اتار دیں گے اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو لا کر اسلام کا محافظ بنا دیں گے۔

جیسے مسجد کا امام صاحب اور ضابطہ کی خلاف ورزی کرتا رہے گا تو ایک دن اسے امامت سے اتار دیا جائے گا۔

یہ کسی کو سمجھنا نہیں چاہئے کہ ان سے اسلام کی ترقی ہے بلکہ اسلام سے ان کی ترقی ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ ان سے اسلام کی ترقی ہے جیسا کہ ایک گاؤں میں ایک بڑھیا تھی جس کے پاس ایک مرغا تھا وہ مرغا صبح میں اذان دیا کرتا تھا وہ بڑھیا سمجھتی تھی کہ صبح ہوتی ہے تو میرے مرغے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

کسی نے اس بڑھیا کو ستایا تو وہ مرغے کو اپنے بغل میں دبا کر چلنے لگی اور کہنے لگی کہ میں دیکھوں گی کہ تمہارے پاس صبح کیسے ہوگی۔

میرے دوستو! یاد رکھئے اسلام کی صبح تمہارے مرغے کی وجہ سے نہیں ہوتی ہے۔ اسلام کی صبح اس لئے ہے کہ یہ دین اللہ کا ہے اس کو ہر حال میں سربلند ہونا ہے۔ تمہارے ہاتھ نکلیں تو یہ تمہاری سعادت ہے ہاتھ نہ نکلیں گے تو تمہیں اتار دیا جائے گا اور تمہاری جگہ دوسروں کو اسلام کا محافظ بنا دیا جائے گا فرمایا۔

فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ

آنے والی قوم جو اسلام کی محافظ ہوگی وہ کیسی ہوگی؟

فرمایا گیا کہ اس میں چار خصوصیتیں ہوں گی۔

پہلی خصوصیت یہ کہ وہ قوم اللہ سے محبت کرے گی اور اللہ بھی اس قوم سے محبت کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس قوم کو اتارا جائے گا وہ قوم اس منزل پر آئے گی کہ وہ اللہ سے نہیں اپنی ذات سے محبت کرے گی تو خدا بھی اس سے محبت نہیں کرے گا اتاری جانے والی قوم میں وہ خصوصیت اگر ہوتی تو اتارنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

بہر حال آنے والی قوم میں یہ خصوصیت ہوگی کہ وہ اللہ سے محبت کرے گی اور اللہ بھی اس سے محبت کرے گا۔

میرے دوستو زبانی محبت سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ عملی طور پر محبت کا ثبوت دینا چاہئے آپ اپنی بیوی کو یقین دلائیں کہ مجھے تم سے محبت ہے تو بھی بیوی دلیل کے بغیر دعویٰ قبول نہیں کرے گی۔ بیوی بیمار ہو تو علاج نہ کرے کپڑے کی ضرورت ہو تو کپڑوں کا بندوبست نہ کرے اسی طرح آرام کا کوئی سامان مہیا نہ کرے اور شوہر میاں بیوی سے کہے کہ مجھے آپ سے محبت ہے بیوی کہے گی بھاڑ چولہے میں جائے۔ تمہاری ایسی محبت لے کر میں کیا کروں۔

جیسے ایک عورت جنگل میں جارہی تھی کسی شریر نے دیکھا کہ عورت جارہی ہے تو وہ اسے کے پیچھے دوڑ کے گیا کہنے لگا اجی آپ سے بڑی محبت ہے وہ عورت سمجھدار تھی کہنے لگی اجی کوئی حرج نہیں۔

انسان کو انسان سے محبت ہوتی ہے آپ کو بھی ہو جائے تو کیا ہوا لیکن میرا مشورہ یہ ہے کہ میرے پیچھے میری چھوٹی بہن آرہی ہے جو عمر میں کم ہے اور حسن میں زیادہ ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنی محبت کا اظہار اس سے کریں وہ عاشق نامدار پیچھے مڑ کے دیکھتے ہیں۔

تو وہ عورت زور سے اسے لات مارتی ہے اور کہتی ہے کہ میرے سوا دوسروں کی خبر لگتی ہے تو ادھر دیکھتا ہے۔

یہ کیا میری محبت ہے۔ اس محبت کو کوئی قبول نہ کرے گا۔

زاہدا تسبیح میں زنار کا ڈورا نہ ڈال   یا برہمن کی طرف ہو یا مسلماں کی طرف

محبت اگر اللہ سے ہے تو اس کا ثبوت پیش کیا جائے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سود کا موقع آتا ہے تو اللہ میاں کو طاق میں بٹھا دیتے ہیں اور سود پر عمل کرتے ہیں خاندانی اور رشتہ داری کا مسئلہ آتا

ہے تو حکم خداوندی کو اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور خاندانی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔

ایک طرف رسم جلا کر آپ نے رکھا ہے تو ایک طرف محبوب کو بٹھایا ہے۔

دیکھنا یہ کہ پروانہ شمع کی طرف جاتا ہے یا محبوب کی طرف۔

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کے وہ یہ کہتے ہیں

ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

ایک طرف نفس ہے ایک طرف اللہ ہیں۔ دیکھنا یہ کہ ہم اپنے نفس سے محبت کرتے ہیں یا اللہ سے ہمیں اپنے مفاد سے محبت ہے یا اپنے خدا سے یہ یاد رکھیے کہ اگر ہم اپنے مفاد سے محبت کریں گے اور اللہ سے محبت نہ کریں گے تو اللہ بھی ہم سے محبت نہ کرے گا۔ اور پھر ہم اللہ کے محبوب بھی نہ ہوں گے۔ آگے فرمایا۔

اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین۔

پاسبان بننے والی قوم میں یہ خصوصیت بھی ہوگی کہ وہ اپنوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہوگی۔

اگر وہ دیکھے کہ اسلام کے حلقے کے باہر ساری محبت اور نرمی ہے اور اسلام کے دائرے میں کوئی محبت نہیں ہے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بیماری پیدا ہو چکی ہے کہ جس کی وجہ سے قوموں کو اجاڑ دیا جاتا ہے۔

دو باتیں ہو گئیں اور آگے فرمایا۔

یجاھدون فی سبیل اللہ

آنے والی قوم کے کام اللہ کی راہ میں تکلیف اٹھانے کی عادت ہوگی لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں سینما کے لئے لائن لگی ہوتی ہے تو وہاں دھوپ میں بھی کھڑے ہوتے ہیں ٹکٹ کے لئے۔

اور مسجد کے اندر دھوپ میں جگہ مل جائے تو کہتے ہیں کہ موذن صاحب یہ کیا انتظام ہے۔ دھوپ میں تو نماز پڑھی نہیں جاتی ہے۔ ایک صاحب اپنا مکان مسجد کے پاس سے دور لے گئے کہنے لگے موذن کو کوئی کام نہیں ہر وقت اللہ اکبر اللہ اکبر پکارا کرتا ہے۔ ہماری تو نیند بھی خراب ہو چکی ہے۔

جب مسلمان قوم ایسی ہو جائے کہ وہ اذان سے تکلیف محسوس کرنے لگے اور اللہ کی راہ میں تکلیف بھی اٹھانے کو تیار نہ ہو تو کس قدر افسوس کی بات ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ آگے فرماتے ہیں۔

ولا یخافون لومۃ لائم

سبحان اللہ یہ آخری چیز ہے۔ غور کرنے کی بات ہے فرمایا کہ آنے والی قوم کی یہ بھی خصوصیت ہوگی کہ وہ قوم اسلام میں اتنی پکی ہوگی کہ کسی ملامت کرنے والے کا خوف اس کے دل میں نہ ہوگا۔

میرے دوستو! غور فرمائیں آج ہمارا کیا حال ہے نوجوان داڑھی رکھتا ہے تو کہتے ہیں کہ سوسائٹی میں مذاق کرتے ہیں عورت برقعہ اوڑھتی ہے تو کہتے ہیں کہ سوسائٹی میں مذاق اڑاتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ پرانا آدمی کہاں سے آگیا۔ کیا اللہ آبادی نے کہا ہے۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

آج یہ جرم ہو گیا ہے داڑھی رکھے تو کہتے ہیں کہ داڑھی اچھی نہیں لگتی ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا نورانی جملہ نقل کرتا ہوں۔

فرمایا کہ: یہ چکنے چکنے گلے ہمیں بھی پسند ہیں ہم کوئی بے ذوق لوگ نہیں ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے داڑھی رکھنے کا۔ اس کی وجہ سے ہم اہمیت سے ایسی صورت بنائے رکھتے ہیں دیکھئے۔ آپ کو کسی سے محبت ہو جائے اور وہ یہ کہے کہ آپ اپنا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار ہو کر آئیں تو میں آپ سے ملاقات کروں گا۔

چونکہ ان سے آپ کو محبت ہے آپ منہ کالا کر کے گدھے پر جا رہے ہیں لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ تو بہت برا لگ رہا ہے۔ آپ یہی کہیں گے کہ یہ شکل میں نے آپ کو دکھانے کے لئے نہیں بنا رکھی ہے۔

جس کو دکھانے کے لئے بنائی ہے وہ اسے پسند کرتا ہے اس لئے مسلمان یہ سمجھ لیں کہ برقعہ اوڑھنے سے چادر اوڑھنے سے بھی کوئی دقیانوسی نہیں بنتی ہے بلکہ وہ اللہ اور رسول کی نظر میں شہزادی ہے۔

اور وہ نوجوان جو اس ماحول میں بھی داڑھی رکھتا ہے تو وہ جہاد کرتا ہے گویا وہ اللہ و رسول کی نظر میں شہزادہ ہے۔

بہر حال آنے والی اسلام کی محافظ قوم میں، برسر اقتدار آنے والی اسلام کی پاسبان قوم میں یہ چار خصوصیتیں ہوں گی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس قوم کو اتارا جائے گا اس میں یہ چاروں باتیں نہ ہوں گی۔
میرے دوستو! یہ قانون انقلاب امت ہے جو برحق ہے دنیا کے سارے آئین و ضوابط میں شبہ ہو سکتا ہے لیکن خدا کے قانون میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا ہے کہا ہے

برسوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

اللہ کے قانون میں کوئی فرق آنے والا نہیں ہے۔ اللہ کا قانون سچا ہے۔

میرے دوستو! جس قوم میں یہ خصوصیات نہ ہوں گی تو اس قوم کو اتار دیا جائے گا اور جس قوم میں یہ چار خصوصیات ہوں گی وہ اپنے منصب پر رہے گی۔ اس منصب سے اسے اتارنے کا کوئی سوال ہی نہ ہوگا۔ یہ اوصاف ہم میں پیدا ہوں گے تو ہم کو بھی اور آپ کو بھی اسلام کا محافظ بنایا جائے گا۔ یہ قانون انقلاب امم ہے یہ اندھیر نگری کی حکومت نہیں ہے کہ یہاں سلطنت بغیر اصول کے چل رہی ہو۔

یعنی قوموں کا عروج ضابطے کی بنا پر ہے یہاں قوموں کا زوال بھی ضابطے کی بنا پر ہے۔ ترقی بھی ضابطے کی بنا پر ہے۔ یہ قانون انقلاب امم ہے۔ ہمیں چاہئے کہ صحیح معنوں میں اسلام کے محافظ پاسبان اور اسلام کے رکھوالے بنیں۔ اور ان خصوصیات کو اپنے اندر پیدا کریں۔
ان آیتوں کا یہی حاصل تھا اب میں آپ سے معذرت چاہوں گا۔ دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللّٰهم ارنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه۔ اللّٰهم صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد صلاۃ تنجینا بها من جمیع الاهوال والآفات و تقضی لنا بها جمیع الحاجات و تطهرنا بها من جمیع السیئات و ترفعنا بها اعلیٰ الدرجات و تبلغنا بها اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیوٰۃ و بعد الممات انک علیٰ کل شیء قدیر برحمتک یا ارحم الراحمین۔

سکونِ قلب

خطاب نمبر ۱۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولٰنا محمداً عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و الہ و اصحٰبہ اجمعین

امابعد: فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔
بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

لااقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد ووالد وما ولدلقد خلقنا الانسان فی کبد ایحسب ان لن یقدر علیہ احد یقول اھلکت مالاً لبداً ایحسب ان لم یرہٗ احد الم نجعل لہ عینین و لساناً و شفتین و ھدینٰہ النجدین فلا اقتحم العقبۃ وما ادرٰک ماالعقبۃ فک رقبۃ او اطعٰم فی یوم ذی مسغبۃ یتیماً ذامقربۃ او مسکیناً ذامتربۃ ثم کان من الذین امنوا وتواصوابالصبر وتواصوا بالمرحمۃ اولٰئک اصحٰب المیمنۃ والذین کفروا بایٰتناھم اصحٰب المشئمۃ علیھم نارموصدۃ (پارہ عم سورۃ البلد رکوع ۱)

صدق اللّٰہ مولٰنا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العلمین۔

بزرگان محترم و برادران عزیز

آج آپ کے اس قصبے میں آ کر بڑی خوشی ہوئی کیونکہ پہلی بار جب میں پاکستان سے مدراس آیا تھا تو سب سے پہلے اسی قصبے میں میں نے بیان کیا تھا۔ ہمارے مہربان

جناب عبدالصمد صاحب کے ہاں قیام تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ اس مرتبہ بھی وہ اتفاق سے آئے ہوئے ہیں۔ ان کے ذریعہ بڑے بیٹے کے انتقال پر ان کی والدہ کی تعزیت کا بھی موقع ملا ہے۔ اور یہ بھی کہ چلتے چلاتے دین اور شریعت کی باتیں بیان کروں۔

عام طور پر آپ کے علاقے میں دین کا شوق اور جذبہ پایا جاتا ہے۔ میں نے اپنی تقریروں میں بھی اس کا اقرار کیا ہے لیکن جتنی گرم جوشی اور دلچسپی اور جذبہ آپ کے اندر موجود ہے میں اپنی اس عمر میں آپ کے جذبات کا شاید ساتھ نہ دے سکوں۔

میں نے ایک فارسی کے عارف شاعر کے شعر کے ذریعے معذرت بھی کر دی تھی کہا گیا ہے۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار   گل چین تو از تنگی داماں گلہ دارد

پھولوں کی تعداد بہت ہے مگر دامن میں اتنی گنجائش نہیں ہے لیکن اس کے باوجود یہ بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ صفائی کے ساتھ انکار کر دیا جائے بقول حفیظ کہ۔

لے لو دو گھونٹ کہ ساقی کی رہے بات بنی   صاف انکار سے خاطر شکنی ہوتی ہے

اس موقع پر ایک ہی بات کہنے کو جی چاہتا ہے وہ یہ کہ کوئی کسی طبقے سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو خواہ کوئی دولت مند ہو یا کوئی غریب ہو کوئی پڑھا لکھا ہو یا جاہل ہو جوان ہو یا بوڑھا ہو مرد ہو یا عورت آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے ہر آدمی چلتا پھرتا کوشش کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ سب کچھ کیوں؟

آپ اگر دریافت کریں تو ہر آدمی دوسرے آدمی سے اپنی منزل الگ الگ بتائے گا ہر ایک اپنا نصب العین الگ الگ بتائے گا لیکن اللہ والے کہتے ہیں کہ سب کا مقصد ایک ہے۔

آپ کسی سے دریافت کریں کہ بھائی کس الجھن میں اور کس پریشانی میں ہو وہ کہے گا کیا بتاؤں مجھے اللہ نے دولت دی ہے۔ مجھے اللہ نے تندرستی دی ہے مجھے اللہ نے عزت دی ہے چودھری بنایا ہے اور میری بڑی شہرت ہے۔ اسی طرح اللہ نے مجھے علم بھی دیا ہے مگر میرے گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے نظر نہیں آتے ہیں میں صاحب اولاد نہیں ہوں۔

مجھے اس بات کا اتنا غم ہے کہ اسی غم میں نہ دولت اچھی لگتی ہے نہ زندگی اچھی لگتی ہے اس کی وجہ سے مارا مارا پھر رہا ہوں۔

کبھی حکیم کے پاس جاتا ہوں کبھی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہوں کبھی تعویذ کے لئے پھرتا ہوں وہ کہتا ہے کہ ای الجھن اور پریشانی میں ہوں۔

آپ آگے چل کے کسی دوسرے راہ گیر سے پوچھیں کہ بھائی تم کس الجھن میں ہو۔ آپ سمجھیں گے کہ شاید یہ بھی اسی الجھن میں ہے۔

مولانا جلال الدینؒ نے لکھا ہے کہ ایک بنیا رات کو جب دکان بند کرتا تھا تو اپنی طوطی دکان ہی میں چھوڑ جاتا تھا وہ طوطی اس کے ہاں پلی ہوئی تھی ایک بار ایسا ہوا کہ کہیں اس کی وجہ سے چھاج کا تیل گر گیا۔ صبح وہ بنیا آیا اور اس نے اس طوطی کو اتنا مارا اتنا مارا کہ وہ گنجی ہوگئی۔

اس نے بولنا چھوڑ دیا تین چار دن کے بعد بنیے کی دکان پر ایک آدمی آیا وہ گنجا تھا طوطی اس سے پوچھتی ہے کیا تو نے بھی اپنے آقا کا تیل گرایا تھا۔ کہ میری طرح تو بھی گنجا نظر آرہا ہے۔ غرضیکہ جو جس الجھن میں رہتا ہے وہ سوچتا ہے کہ دوسرا بھی اسی الجھن میں ہے۔

لیکن کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرا بھی وہی کہے گا نہیں وہ کہتا ہے کہ اللہ نے مجھے اتنی اولاد دی ہے کہ رہنے کے لئے جگہ نہیں ہے لیکن میرے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ بچوں کے ساتھ گزارا کر سکوں۔

صبح و شام دولت کمانے میں لگا رہتا ہوں یا اللہ دے کم از کم ان کے کھانے پینے کا انتظام تو کر سکوں۔

وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ نے علم بھی دیا ہے اللہ نے عزت بھی دی ہے اللہ نے تندرستی بھی دی ہے اللہ نے اولاد بھی دی ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ دولت کے بغیر علم بھی بےکار اولاد بھی بےکار عزت بھی بےکار۔

دیکھیے پہلا آدمی اولاد کی تلاش میں پریشان ہے تو دوسرا آدمی دولت کی تلاش میں پریشان ہے۔ تیسرے آدمی سے آپ پوچھیے کہ بھائی تم کس الجھن میں ہو کیا آپ کے پاس دولت نہیں؟ کیا آپ کی اولاد نہیں؟ وہ کہتا ہے خدا کے فضل سے یہ دونوں چیزیں میرے پاس موجود ہیں اولاد بھی ہے دولت بھی ہے تو پھر کیا پریشانی ہے؟ وہ کہتا ہے کہ قوم نے میری عزت نہیں کی۔

میں چاہتا ہوں کہ اپنی قوم کا چودھری بنوں مجھے یہ اعزاز نصیب نہ ہو تو اولاد بھی کچھ نہیں دولت بھی کچھ نہیں۔

تیسرا آدمی بھی پریشان ہے اسے کرسی اور عزت کی تلاش ہے۔ پہلا آدمی یہ سمجھ رہا ہے کہ زندگی کا سکون اولاد میں ہے دوسرا آدمی یہ سمجھ رہا ہے کہ زندگی کا سکون دولت میں ہے تیسرا آدمی یہ سمجھ رہا ہے کہ زندگی کا سکون عزت میں ہے۔

کوئی اولاد میں سکون تلاش کر رہا ہے کوئی دولت میں سکون تلاش کر رہا ہے۔ کوئی عزت و اقتدار میں سکون تلاش کر رہا ہے۔

کسی کا نظریہ یہ ہے کہ اولاد میں سکون ہے کسی کا نظریہ یہ ہے کہ دولت میں سکون ہے کسی کا نظریہ یہ ہے کہ عزت میں سکون ہے۔

جنید بغدادیؒ سے ہم پوچھیں کہ آپ ہم تو راتوں کو اٹھ اٹھ کے روتے ہیں تو بات سمجھ میں آتی ہے ہم تو دنیادار ہیں پریشان رہتے ہی ہیں آپ تو اللہ والے ہیں رات کے بارہ بجے سے یہ رونے اور گڑگڑانے کی آواز کیوں آپ کو کیا پریشانی ہے؟

وہ جواب دیں گے کہ جب سے میں نے قرآن میں پڑھا ہے کہ آخرت میں انسان دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے ایک گروہ اہل جنت کا ہوگا اور ایک گروہ اہل دوزخ کا ہوگا تو اس وقت سے میرے دل کو پریشانی ہے کہ دیکھیں کہ مرنے کے بعد کونسے گروہ میں جاؤں گا۔ اس لئے آدھی رات سوتا ہوں تو آدھی رات عبادت کرتا ہوں تاکہ میں اس گروہ میں چلا جاؤں جو اہل جنت کا ہے۔

دیکھا آپ نے یہ بھی پریشانی سے خالی نہیں بقول غالب کہ

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

جب تک ہمارے اندر سانس کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہے گا تو ہم اور آپ فکر و غم سے چھوٹ نہیں سکتے ہیں۔

مولانا جلال الدینؒ فرماتے ہیں کہ ان سب نے الگ الگ اپنا نام رکھا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ صرف ایک ہی مقصد کے لئے سب کے سب چلتے پھرتے نظر آتے ہیں وہ ہے دل کا اطمینان۔

ایک آدمی نے یہ طے کیا ہے کہ میرے دل کا اطمینان اولاد میں ہے دوسرے نے یہ

طے کیا ہے کہ میرے دل کا اطمینان دولت میں ہے تیسرے نے یہ طے کیا ہے کہ میرے دل کا اطمینان عزت میں ہے۔

ایک ہی سوتی کی تلاش میں سب کے سب سرگرداں ہیں کہ کسی طرح زندگی میں سکون پیدا ہو جائے۔

مولانا نے ایک واقعہ بھی لکھا ہے کہ چار مسافر جا رہے تھے چاروں کی زبان الگ الگ۔ پہلا آدمی عربی والا دوسرا آدمی فارسی والا تیسرا آدمی ترکی والا چوتھا رومی والا تھا۔ یہ جا رہے ہیں تھوڑی دور پہنچے کے بعد انہوں نے یہ طے کیا کہ کوئی چیز کھانے پینے کی ناشتے کے طور پر منگائی جائے۔ کیا منگائیں۔ عربی والا کہتا ہے۔ انا ارید العنب. عربی میں انگور کو عنب کہتے ہیں۔ تین زبان والے سمجھتے نہیں ہیں کہ یہ عنب کیا ہے کہتے ہیں کہ عنب منگایا نہ جائے معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز ہے۔ کھائی جا سکتی ہے یا نہیں۔

فارسی والے سے پوچھا گیا تو اس نے کہا۔ رزی خواہم۔

رز فارسی میں انگور کو کہتے ہیں۔ عربی والا کہتا ہے نہیں بھائی نہیں پتہ نہیں یہ کیا چیز ہے کھائی جائے یا نہ کھائی جائے۔

رومی زبان میں انگور کو استافیل کہتے ہیں اس نے کہا میں استافیل چاہتا ہوں۔ غرض چاروں میں جھگڑا ہو رہا ہے۔

ایک کہتا ہے تو تین انکار کرتے ہیں دوسرا کہتا ہے تو باقی انکار کرتے ہیں تیسرا کہتا ہے تو باقی سب انکار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ غیب سے ایک فرشتہ روانہ فرماتے ہیں فرشتہ کہتا ہے تمہارا جھگڑا صرف لفظوں کا ہے حقیقت تمہاری سب کی ایک ہے۔

پیسے میرے حوالے کرو میں جو چیز لے آؤں اسے تم کھا لینا ان لوگوں نے کہا جھگڑنے کا یہی انجام ہے اور کیا ہوگا ہم اتفاق نہیں کر سکتے اس لئے اس کے حوالے پیسے کر دو وہ کیا لاتا ہے دیکھیں۔ یہ گیا اور انگور لے آیا۔

عربی والا کہتا ہے میں بھی تو یہی چاہتا تھا۔ فارسی والے نے کہا یہی تو میں بھی چاہتا تھا۔ رومی والے نے کہا یہی تو میں بھی چاہتا تھا۔

سبحان اللہ مولانا فرماتے ہیں۔

اختلاف خلق اندر نام او فتاد   چوں بمعنی رفت در آرام او فتاد

لفظوں کا جھگڑا تھا حقیقت سامنے آ گئی تو سب کو راحت مل گئی۔

میرے دوستو سب کے سب اطمینان قلب کے طالب ہیں۔ کسی نے اس کا نام اولاد رکھا ہے کسی نے اس کا نام دولت رکھا ہے کسی نے اس کا نام اقتدار رکھا ہے لیکن فرمایا کہ زندگی کا اصل سکون قلب ہے باقی سب اس کے تابع ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو تجربہ کرنے والوں نے دیکھ لیا کہ اولاد میں سکون نہیں ہے۔ بعض اوقات اولاد بھی ایسی ہوتی ہے کہ ہم نے ماں باپ کو یہ کہتے سنا ہے کہ یہ پیدا ہوتے ہی مر گیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔

دولت میں بھی سکون نہیں ہے بلکہ اس میں تو سکون ہے ہی نہیں یہ تو جلندر کی بیماری ہے جیسے استسقاء کی بیماری ہے کہ ایک گھڑا پانی پی لے پھر وہ دوسرا لے آؤ کہتا ہے حدیث میں ہے۔

لو کان لابن ادم وادیان من المال لابتغی ثالثا ولا یملأ جوفه الا التراب۔

فرمایا گیا کہ اگر مال کی دو وادی دے دی جائے آدم کے بیٹے کو تو وہ کہے گا کہ تیسری وادی لے آؤ۔ حدیث میں آیا ہے کہ یہ بھوک اس کی ختم نہیں ہوسکتی ہے جب تک کہ وہ پیوند خاک نہ ہو جائے اور بیٹھے حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے جا رہے تھے افلاطون نے کہا کہ آپ تو بڑے دانا دکھائی معلوم ہوتے ہیں میرا ایک سوال ہے حل کر کے جائیے۔

فرمایا سمجھ میں آئے تو جواب دے دوں گا۔ سمجھ میں نہ آئے تو معذرت کر دوں گا۔

افلاطون نے کہا اتنی بڑی تیر و کمان بنائی جائے کہ مشرق سے مغرب تک اس کے دونوں سرے ہوں اور اس تیر و کمان کا چلانے والا اللہ ہو اور دنیا کی مصیبتیں، آفتیں اور پریشانیاں یہ ہوں تیر۔

اب اگر کوئی بچنا چاہے تو کیا وہ ان تیروں سے بچ سکتا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنا اور فوراً جواب دیا فرمایا کہ اب بھی وہ بچ سکتا ہے اور بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ تیر چلانے والے کے پہلو میں کھڑا ہو جائے۔

تیر بھی کبھی تجھے نہیں اس کو۔

تیر جب نکلتا ہے جب کہ تیر چلانے والے سے دور جائے۔ وہ حیران رہ گیا یہ سن کے۔ اس نے کہا یہ جواب کسی نبی کا ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی بتایا کہ جتنا تم اللہ سے دور بھاگو گے اسی قدر پریشانیاں تمہیں گھیر لیں گی۔ اور جتنا خدا کے قریب ہو گے اسی قدر پریشانیوں سے بچتے چلے جاؤ گے۔

تیر چلانے والے کے دامن کو لپیٹ کے کھڑے ہو جاؤ یہ بچنے کی شکل ہے۔

میرے عزیز دوستو۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ اسے دل کا چین اور سکون ملے اور جتنے نام تم لوگوں نے رکھے ہیں وہ الفاظ ہی الفاظ ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان سکون کا طالب ہے۔

اور سکون ملنے کا صرف اللہ کی یاد میں جتنا بندہ اللہ کے قریب ہوتا ہے اور اللہ کو یاد کرتا ہے آپ دیکھیں گے کہ اتنی ہی اس کی زندگی شاہانہ ہوتی ہے۔

یہ پاکیزہ زندگی ہوتی ہے اطمینان قلب کی زندگی ہوتی ہے بہرحال اس مختصر سے وقت میں یہی بات عرض کرنی تھی کہ آپ کا اور ہمارا جو مقصود جس کی تلاش میں ہم اور آپ سرگرداں ہیں وہ جوہر مقصود سکون قلب کی دولت ہے۔

یہ دولت کسی مارکیٹ میں نہیں ملے گی۔ کسی بازار میں نہیں ملے گی یہ دولت اللہ والوں کی صحبت میں ملے گی۔ یہ دولت اگر آپ کو مل جائے تو پھر اگر اولاد بھی نہ ہو دولت بھی نہ ہو منصب بھی نہ ہو تو کسی بات کا غم انسان کو نہیں ہوگا۔

سب سے بڑی دولت جب انسان کو حاصل ہو جاتی ہے تو انسان اپنی بادشاہت محسوس کرتا ہے یہ چند کلمات تھے جو میں نے عرض کئے ہیں دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

برحمتک یا ارحم الراحمین۔

محبت الٰہی

خطاب نمبر ۱۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لآالٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولٰنا محمداً عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحٰبہ اجمعین

اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قل ان کان اٰباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہ واللہ لایھدی القوم الفٰسقین (پ ۱۰ سورۃ التوبۃ ع ۱۰)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العٰلمین.

بزرگان محترم و برادران عزیز

مجھے بڑی خوشی ہے کہ میں تقریباً بیس پچیس سال کے بعد آپ کی اس مشہور تاریخی اور مشہور قصبہ میں حاضر ہوا اور آپ حضرات سے دینی باتیں کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت جو دسواں پارہ ہے میں نے تلاوت کی ہے۔

یہ آیت اس مشہور سورت کی آیت ہے جس کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل نہیں ہوئی۔

وہ سورۃ سورۃ براۃ یا سورۃ توبہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہمارے حنفی مسلک کے مطابق ایت من
ٓیات الکتاب ہے قرآن کریم کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے یہ آیت اس
آیت سے الگ ہے جو سورہ نمل میں ہے۔
فرمایا گیا۔
انہ من سلیمٰن و انہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ بسم اللہ الرحمن الرحیم وہ ہے جہاں سے ہم اور آپ تلاوت کی ابتداء کرتے ہیں یہ آیت ہر سورۃ کے شروع میں لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ آیتوں میں سے ایک آیت ہے لیکن یہ ہر سورۃ کی آیت نہیں ہے۔

اسی لئے قرآن کریم کی کتابت میں بڑی احتیاط برتی گئی ہے وہ اس طرح کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ہر سورۃ کے شروع میں لکھا جاتا ہے لیکن اس کا ایک چوکھٹہ بنایا جاتا ہے اور اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا جاتا ہے۔

اسی طرح اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کو تلاوت کے موقع پر پڑھا جاتا ہے لیکن اسے چوکھٹے میں بھی نہیں لکھتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ قرآن کی کوئی آیت نہیں ہے۔

ہاں بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے جس کا نزول آداب تلاوت کے طور پر ہوا ہے کہ جب قرآن کی تلاوت کی ابتداء کرو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھو۔

جب ہم اور آپ کتاب اللہ کھولتے ہیں تو ہمیں بسم اللہ الرحمن الرحیم ملتی ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ آپ کسی شاہی محل میں داخل ہوں تو سب سے پہلے آپ کو صدر دروازہ ملتا ہے اور صدر دروازے سے بہت کچھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ مکان کیسا ہے مکین کیسا ہے۔ سامان کیسا ہے۔ دروازہ شاندار ہو تو لوگ اسے دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں رہنے والا کوئی امیر اور کبیر رئیس آدمی ہے۔ اور اگر دروازہ معمولی ہے تو معلوم ہوگا کہ اس میں رہنے والا غریب آدمی ہے۔ اسی لئے پہلے زمانے میں لوگ دروازہ شاندار بناتے تھے مکان چاہے اندر سے خراب ہی کیوں نہ ہو۔

علماء نے لکھا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن کریم کے داخلہ کا دروازہ ہے۔ دروازہ آیت رحمت کو بنایا گیا ہے۔ جب دروازے ہی پر آپ کو رحمت مل جائے تو اس میں داخل ہونے کے بعد آپ کو کتنی برکتیں ملیں گی اور کتنی سعادتیں ملیں گی۔ کہ اول قدم پر ہی آپ کو

رحمت مل گئی ہے۔ فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم باب رحمت ہے جس سے آپ قرآن میں داخل ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص بھکاری تھا اس کا کام تھا صدا لگانا۔

محلے کے ایک دروازے پر وہ پہنچتا ہے دیکھتا ہے کہ گھر کا دروازہ بڑا عالی شان ہے۔

اس نے یہ سوچا کہ یہ اتنا شاندار دروازہ ہے کہ اس کا رہنے والا مجھے اگر بھیک دے گا تو کسی دوسرے دروازہ پر مجھے جانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ آج کی ساری ضرورت تو اسی در پر پوری ہو جائے گی اس نے امید لگائی مگر بقول غالب کہ

شعر
مرنے پہ جو بس کی امید — نا امیدی اس کی دیکھا چاہئے

فقیر نے صدا لگائی اندر سے ایک عورت آئی اور آٹے کی چٹکی دے کر چلی گئی۔ صدا لگانے والا فقیر کبھی اس بھیک کو دیکھتا ہے جو اسے ملی ہے اور کبھی اس عالی شان دروازے کو دیکھتا ہے۔ دیکھ کر کہتا ہے یا اللہ دروازہ ہے کتنا شاندار لیکن یہ بھیک؟

اسے غصہ آتا ہے وہ اپنے گھر جاتا ہے پھوڑا اٹھا کے لاتا ہے اور اس عالی شان دروازے پر چڑھ کر اس کی اینٹیں گرانی شروع کرتا ہے مالک مکان آتا ہے اور کہتا ہے ارے کیا تو دیوانہ اور پاگل ہو گیا ہے۔ کیوں میرے دروازے کو گرا رہا ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ تم نے دروازہ شاندار بنایا ہے اپنا دروازہ دیکھو اور اس دروازے کی بھیک دیکھو۔

دو کاموں میں سے تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔

یا تو میری بھیک اپنے دروازے کے مطابق بنا دو۔ ورنہ میں تمہارے دروازے کو اس بھیک کے مطابق نیچے کئے دیتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ دروازے سے اندازہ کیا جاتا ہے بہرحال بسم اللہ الرحمٰن الرحیم باب رحمت ہے اس کو باب رحمت بنایا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی تمام سورتوں کے لئے یہ آیت نازل ہوئی مگر سورۂ توبہ یا سورۂ براۃ کے لئے نازل نہیں ہوئی کیونکہ یہ آیت آیت رحمت ہے اور سورۂ براۃ کے

مضامین غضب الٰہی کے ہیں۔ مضامین قتل و قتال کے ہیں مضامین قہر الٰہی کے ہیں۔ نقض عہد کرنے والوں کی سزا کے متعلق ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ غضب وقہر کے موقع پر آیت رحمت کی تلاوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ ایسا جانور جس کے استعمال کو شریعت نے جائز قرار دیا ہو۔ یہ جملہ بھی اس لئے کہنا پڑ رہا ہے کہ آسٹریلیا میں آپ ہی کے ہاں کے ڈاکٹر ڈاکٹر حبیب الرحمٰن رہتے ہیں ان کی دعوت پر میں آسٹریلیا گیا ہوا تھا انہوں نے کہا کہ یہاں جتنے لبنانی اور مصری رہتے ہیں ذبیحہ حرام ہو یا وہ خنزیر کا ہو اسے یہ مصری اور لبنانی استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ گوشت کو پلیٹ پر رکھ کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر چھری پھیر دینے سے وہ حلال ہو جاتا ہے۔

حالانکہ وہ چیز حلال نہیں ہوتی ہے اور جس کو شریعت نے ذبیحہ کے طور پر بھی حلال نہیں کہا ہو وہ کیسے حلال ہو؟

خنزیر ذبح سے تھوڑے ہی حلال ہو جائے گا؟ بہرحال ایسے جانور جن کو کہ شریعت نے جائز قرار دیا ہو ان کے ذبح کے موقع پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے سے منع کیا ہے۔

فقہاء نے منع کیا ہے کہ ہاتھ میں چھری لے کر گردن پر جب پھیرو تو خبردار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھنا۔ بلکہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا ہوگا۔

کیونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیت رحمت ہے اور ہاتھ میں تمہارے چھری ہے جاندار کی تم جان لے رہے ہو۔ اس کا خون بہا رہے ہو یہ عمل تمہارا عمل قہر ہے۔ اگرچہ اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن یہ موقع آیت رحمت کی تلاوت کا نہیں ہے۔

یہاں صرف اللہ کا نام لو اور اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ ہاں اگر بسم اللہ اللہ اکبر نہیں کہا تو ذبیحہ بھی جائز نہ ہوگا۔

کیوں وجہ کیا ہے اگر آپ بازار سے ککڑی لے آئیں اور اس کو چھری سے کاٹ دیں یا الیکٹرک مشین سے کاٹ دیں بہرحال وہ آپ کے لئے جائز ہے۔ حالانکہ آپ نے بسم اللہ اللہ اکبر بھی نہیں کہا۔ بس آپ نے کاٹ دیا وہ جائز ہے کیوں اس لئے کہ اللہ نے ایک ضابطہ اور اصول مقرر کیا ہے۔

وہ یہ ہے کہ مخلوقات عالم تین یا چار قسم کی ہیں۔

جمادات، نباتات، حیوانات اور ان ہی میں سے ایک اعلیٰ قسم انسان کی ہے۔ ہر نیچے کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے غذا اور خوراک بنایا ہے۔

نباتات کی غذا جمادات یعنی پتھر، مٹی اور نباتات جو نمبر دو کی مخلوق ہے یہ خوراک ہے اوپر کی مخلوق کی۔ یعنی حیوانات، بکری، گائے وغیرہ کی۔

کیونکہ وہ سبزی چارا وغیرہ کھاتے ہیں۔ نباتات کی غذا جمادات ہے حیوانات کی غذا نباتات ہے۔ آپ بھی تو حیوان ہیں۔ اگر آپ نباتات میں سے کوئی چیز کھا رہے ہیں یا کاٹ رہے ہیں یہ اصول کے مطابق ہے اس میں اگر آپ اللہ کا نام بھی نہ لیں تب بھی یہ حلال ہے۔

تربوزہ کاٹ رہے ہیں آپ نے بسم اللہ چاہے پڑھ لی ہو کہ بسم اللہ پڑھ لینا بہتر ہے کیونکہ ہر مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر عمل سے پہلے بسم اللہ پڑھے اور چاہے آپ نے اس موقع پر بسم اللہ نہ بھی پڑھی ہو تو نباتات والی غذا کا استعمال صحیح ہے جائز ہے۔

ہاں ایک مرغی اور ایک بکری کو جب آپ ذبح کر رہے ہیں تو سوال اس اصول کا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ بھی حیوان وہ بھی حیوان وہ بھی جان دار آپ بھی جاندار۔ جان دار جان دار کو کاٹ کر اپنی غذا بنا رہا ہے یہ کیسے صحیح ہو؟ نباتات کی حد تک اصول صحیح ہے۔

جمادات' نباتات کی غذا' نباتات حیوانات کی غذا مگر حیوان حیوان کو خوراک بنائے؟ یہاں اللہ سے خصوصی اجازت کی ضرورت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ یہ جو حیوان کے ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا ضروری قرار دیا گیا ہے یہ درحقیقت خصوصی اجازت طلبی ہے۔ اور اگر کسی نے خصوصی اجازت نہیں لی ہے تو اس کا یہ ذبیحہ بھی حرام ہوگا اور اس کا استعمال بھی جائز نہیں ہوگا۔

اس لئے اس موقع پر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری پھیر دینی چاہئے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم آیت رحمت ہے یہ وہی مشہور سورت ہے جس کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں نازل ہوئی۔

اس لئے کہ اس سورت میں قہر و غضب کے مضامین ہیں اور اللہ نے اس میں ایک فہرست بھی پیش کی ہے اور اس فہرست میں جن جن کا ذکر ہے ان سے ہمارے دل وابستہ ہیں۔

ان سے ہمارے اور آپ کے دل محبت کرتے ہیں۔ فرمایا گیا ہے۔

قل ان کان اباؤکم اگر آپ اولاد ہیں فرزند ہیں اور آپ ماں باپ سے محبت کرتے ہیں تو ہمیں کوئی شکایت نہیں ہمیں اس پر کوئی گلا شکوہ نہیں بلکہ ہم خوش ہوں گے کہ آپ اپنے والدین سے محبت کریں۔ آج ہمیں تو گلا اس بات کا ہے کہ اولاد صحیح معنوں میں والدین سے اتنی محبت نہیں کر رہی ہے جتنی محبت کرنی چاہئے۔

حدیث کا واقعہ یاد آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے کہ چند مسافر جا رہے تھے راستے میں بارش آ گئی پناہ لینے یہ مسافر پہاڑ کی غار میں گھس گئے بجلی زور سے چمکی ایک چٹان سرک کر غار کے دہانے پر اس طرح آ رکی کہ اس غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ مسافروں نے رونا چلانا شروع کیا۔

ان میں سے ایک مسافر نے کہا کہ واقعی ہم مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں لیکن یہ

چیخنے اور چلانے کا وقت نہیں ہے۔ مانگنے کا وقت ہے خدا سے مانگو۔ ایک شخص آگے بڑھتا ہے کہتا ہے اے اللہ تجھے معلوم ہے کہ میں نے تمام عمر نماز کی پابندی کی ہے اے اللہ یہ کوئی نیکی ہے تو اس کے صدقے اس مصیبت سے تو نجات عطا فرما۔

دوسرا کھڑا ہوا اس نے کہا اے اللہ۔ تجھے معلوم ہے کہ میں بہت خیرات کرتا تھا۔ واقعی یہ کوئی نیکی ہے تو اس نیکی کے بدلے اس مصیبت سے نجات عطا کر۔

آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا۔ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں چرواہا ہوں میرا کام بکریاں چرانا ہے میں بکریاں چرایا کرتا تھا ہر دن شام کو واپس ہو کر دودھ نکالتا تھا سب سے پہلے ماں باپ کو دیتا تھا بعد میں اپنے بچوں کو دیتا تھا۔ اے اللہ تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ایک مرتبہ رات میں اتنی تاخیر سے گھر پہنچا کہ میرے بوڑھے ماں باپ سو چکے تھے میں نے دودھ نکالا اور ماں باپ کے سرہانے دودھ لئیے ہوئے کھڑا ہو گیا اٹھایا اس لئے نہیں کہ ان کی آنکھ کھل جائے گی لیکن جب آدھی رات ہو گئی اور میرے والد کی آنکھ کھلی تو کہا بیٹا یہاں کیسے کھڑے ہو۔ میں نے کہا آج ابا جان میں بکریاں چرا کر دیر سے آیا دودھ لئے کھڑا ہوں۔ جب تک آپ نوش نہیں فرمائیں گے ہمارے گھر کا کوئی آدمی بھی نوش نہیں کرے گا۔ اس نے کہا اے اللہ یہ اگر کوئی نیکی ہے جو میں نے اپنے والدین کے ساتھ کی ہے تو اے اللہ ہماری اس مشکل کو آسان کر دے۔

آپؐ نے فرمایا کہ چٹان نیچے سرک گئی۔ اور غار کا دروازہ کھل گیا۔ آپؐ نے فرمایا والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ نیکی اتنی عظیم عبادت ہے کہ ان کی خدمات کا حوالہ دے کر دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمائے گا۔ فرمایا گیا۔

قل ان کان اباؤ کم و ابناؤ کم

اگر آپ ماں باپ ہیں اولاد سے محبت کر رہے ہیں تو بجا ہے اس پر کوئی گلا نہیں اولاد کی محبت قدرتی ہے اولاد یہ خون ہے آپ کا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کہ بخاری کی حدیث میں جن کا تذکرہ آیا ہے وہ عالم نزع میں ہیں کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ آپ کے صاحبزادے اس وقت بہت نازک حالت میں ہیں۔ آپ گھبرا کر تشریف لے گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی آپؐ کے ساتھ ہیں۔ آپ نے بچے کو گود میں اٹھا لیا اور فرمایا: اے ابراہیم آج میں تمہاری جدائی سے بڑا غم زدہ ہوں۔

دیکھا گیا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا یا رسول اللہ آپ نبی ہیں آپ بھی روتے ہیں۔

آپ نے فرمایا یہ میرا خون ہے۔ یہ لخت جگر ہے اس کی جدائی پر اتنا غم ہوتا کہ

آنکھوں سے آنسو نکل آئیں یہ جدا ہونے والے بچے کا حق ہے جو مجھے ادا کرنا چاہئے۔

معلوم ہوا کہ اولاد کی محبت قدرتی بھی ہے اور شرعی بھی۔ آج والدین اولاد سے محبت تو کر رہے ہیں لیکن میرا یہ خیال ہے کہ وہ ناقص اور نا تمام محبت ہے۔

آپ اولاد کے لئے اچھا لباس مہیا کرتے ہیں آپ ان کے لئے اچھا کھانا مہیا کرتے ہیں آپ ان کے لئے اچھی رہائش کا سامان مہیا کرتے ہیں آپ ان کی صحت کے لئے اعلیٰ ڈاکٹر مہیا کرتے ہیں مگر بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جنہوں نے آج تک اپنی اولاد کو آخرت کا راستہ نہیں دکھایا ہے آپ ایمانداری سے بتائیے کہ کوئی باپ اپنی اولاد کو جہنم میں جلتے دیکھے گا تو کیا اس کا دل خوش ہوگا؟ کبھی نہیں ہوگا۔

غالباً حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ۔

اہل جنت جنت میں جائیں گے تو کہیں گے یا اللہ ہماری اولاد صاحب ایمان تھی۔ نمازیں پڑھتی تھی کیا بات کہ جنت میں نظر نہیں آ رہی ہے حالانکہ بارگاہ خداوندی میں یہ بات عرض کریں گے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جاؤ جواب دے دو۔ کہ وہ بھی جنت میں ہیں لیکن ان کا درجہ تم سے نیچے ہے تم دوسرے درجے پر ہو یہ سن کر وہ کہیں گے کہ ہم یہ سن کر خوش تو ہیں لیکن ہم انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیتے تو ہماری خوشی کی تکمیل ہو جاتی۔

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہیں گے کہ یہ شان کریمی کے خلاف ہے کہ ماں باپ کو اوپر سے نیچے اتار کر لے آئیں ہاں یہ ہوگا کہ اولاد کو نیچے سے اوپر کے درجے پر لے جائیں تاکہ ماں باپ کا دل خوش ہو جائے۔ آگے فرمایا گیا: قل ان کان اباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم اگر آپ کو اپنے بھائیوں سے محبت ہے تو کوئی بات نہیں لوگ کہتے ہیں کہ بھائیوں کو بھائیوں سے محبت نہیں ہے۔

حافظ شیرازی نے فرمایا۔

ایں چہ شوریست کہ در دور قمری بینم	ہمہ آفاق پر از فتنہ و شری بینم
ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد	ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسری بینم

باپ کے دل میں بیٹے کی محبت نہیں۔ بیٹے کے دل میں باپ کی محبت نہیں۔ بھائی کے دل میں بھائی کی محبت نہیں اور اگر آپ کو بھائیوں سے محبت ہے تو سبحان اللہ چشم ما روشن دل ماشاد۔

آگے فرمایا۔ قل ان کان اباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم

اگر آپ شوہر ہیں اور آپ کو بیویوں سے محبت ہے اور اگر بیویاں ہیں اور ان کو شوہروں سے محبت ہے تو اس میں بھی کوئی گلا نہیں ہے بلکہ دونوں کے دل میں محبت ہونا چاہئے۔ چاہے آپ ماں باپ سے محبت کریں چاہے آپ اولاد سے محبت کریں چاہے آپ بیوی سے محبت کریں چاہے بیوی شوہر سے محبت کرے۔ لیکن یاد رکھئے کہ اسلام میں

کوئی ایسی محبت جائز نہیں ہے جس میں اللہ ورسول کے احکامات کی خلاف ورزی ہوتی ہو حتیٰ کہ شیخ کی اطاعت بھی جائز نہیں ہے اگر وہ شرع کے خلاف حکم دے رہے ہوں۔

لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق

خالق کی معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

شوہر صاحب یہ کہتے ہوں کہ برقعہ اتار دیجئے۔ شوہر صاحب یہ کہتے ہوں کہ چلو ہائی سوسائٹی میں چلیں گے۔ ہوٹل میں چل کر چائے پئیں گے۔ میں نے ہائی سوسائٹی کہا ہے یہ تو میرے نزدیک انتہائی ذلیل اور پست سوسائٹی ہے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی نے خوب مٹی پلید کی ہے۔ فرمایا۔

خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں	حیا ان کو نہیں آتی انہیں غصہ نہیں آتا

میں نے یہ اس لئے عرض کیا ہے کہ ایسا ہوتا ہے کہ کبھی عورتیں شوہروں کو گناہ پر آمادہ کرتی ہیں کبھی آپ ان کو گناہ پر آمادہ کرواتے ہیں۔ اس میں میں نے تقسیم کی ہے۔

کہ عورتیں جس گناہ پر عام طور پر آمادہ کرتی ہیں وہ داڑھی کی صفائی کا ہے کہتی ہیں کہ داڑھی صاف کرو اسی لئے میں یہ کہا کرتا ہوں کہ داڑھی کی فضیلت کا بیان کرنا مردوں میں بیکار ہے اس کی فضیلت کا بیان عورتوں میں کرنا چاہئے۔

اسی طرح پردے کی فضیلت کا بیان کرتا ہے تو عورتوں میں بیان کرنا بیکار ہے اس کی فضیلت مردوں میں بیان کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ عورتیں ہی مردوں کی داڑھیاں منڈواتی ہیں اور مرد ہی عورتوں کو بے پردہ بناتے ہیں اکبر الٰہ آبادی نے کہا ہے۔

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بی بیاں	اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا	کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

مرد ہی عورتوں کو بے پردہ بناتے ہیں۔ عورت کبھی بے پردہ نہیں ہوتی ہے۔ عورت میں حیا ہے غیرت ہے لیکن یاد رکھئے عورت یہ ہے انتہا پسند۔ آپ سے اتنی محبت کرے گی کہ مجنوں نے بھی شاید لیلیٰ سے اتنی محبت کی ہو۔

لیکن خدا نہ کرے آپ سے کہیں عداوت پر آمادہ ہو جائے تو آپ یہ کہیں گے کہ صاحب یہ محبت میں بھی انتہا پسند تھی اسی طرح عداوت میں بھی انتہا پسند ہے۔ آپ اسے حمیت اور غیرت کے دائرے میں رکھیں تب یہ انتہا پسند ہے اور اگر آپ اس کی غیرت اور حیا کو ختم کر دیں تو عداوت میں بھی انتہا پسند ہوگی اسلام نے عورت کی حمیت و غیرت کی بڑی حفاظت کی ہے۔

اسلام کا حکم یہ ہے کہ جس بچی کی شادی نہیں ہوئی ہے آپ اس سے اجازت لینے جائیں تو آپ اس بات کا انتظار نہ کریں کہ وہ اپنی زبان سے کہے کہ ابا میں نے اجازت دیدی ہے کہ فلاں کے ساتھ میرا نکاح ہو جائے۔ اس کا انتظار نہ کریں اس سے اس کی

حیات اور غیرت کو نقصان پہنچے گا۔ شریعت اسلامیہ نے کہا کہ اگر اس نے تمہاری اجازت طلبی والی عبارت سن لی اور خاموشی اختیار کر لی تو ہم نے اس کو اجازت کا درجہ دیدیا چونکہ زبان سے کہلوانے سے حیا کو نقصان پہنچتا ہے ہاں اگر کوئی مطلقہ عورت ہے تو وہاں حیا کی اس منزل کا سوال نہیں اسی لئے فرمایا کہ وہاں لفظوں میں اجازت لینا ضروری ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ بچے کی پیدائش کے بعد جو عقیقہ ہوتا ہے وہ کیا ہے۔ فرمایا کہ وہ بچے کے نسب کا اعلان ہے۔ فرض کر لیجئے کہ آپ کے محلے میں بچہ پیدا ہوا ہو کانوں کان کسی کو خبر بھی نہ ہوئی ہو کہ وہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور ماں باپ کا انتقال بھی ہو گیا اب وہ لڑکا کہتا ہے کہ جی میں حاجی عبدالکریم صاحب کا بیٹا ہوں آپ کہیں گے کہ ہم نے تو زندگی میں کبھی نہیں سنا تھا کہ حاجی عبدالکریم صاحب کے ہاں لڑکا ہوا ہو۔

معلوم ہوا کہ کسی کے گھر لڑکا یا لڑکی پیدا ہوئی ہے تو اس کے لئے نسب کا اعلان ضروری ہے نسب کے اعلان کا طریقہ یہ تجویز کر دیا جائے کہ شوہر صاحب سب کے گھر گھنٹی بجا بجا کے کہے کہ آج میرے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔

تو لوگ کیا کہیں گے کہیں گے کہ بڑا بے غیرت آدمی ہے دیکھو اس میں حیا بھی نہیں۔ شریعت نے نہایت ہی مہذب طریقہ بتایا ہے کہ عقیقہ کرو۔ اور رشتہ داروں کو دعوت دو کہ ہمارے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ بھائی نام کیا رکھا جائے۔ اس طریقے سے تمام کو بچے کے نام کا بھی پتہ چل جائے گا اور نسب کا بھی پتہ چل جائے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس میں سب سے بڑی حکمت نسب کا اعلان ہے۔

بہرحال آپ نے اپنی بیویوں کو آزادی کا حق دیدیا ہے تو آپ نے صحیح معنوں میں ان کی محبت کا حق ادا نہیں کیا اسی طرح شوہروں کو عورتوں نے کسی گناہ پر آمادہ کیا ہے تو انہوں نے بھی اپنے شوہروں سے محبت کا حق ادا نہیں کیا۔

آگے فرمایا: قل ان کان اباؤکم و ابناؤکم واخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم واموال ۔ اقترفتموھا

اور اگر آپ کو اپنے کنبے سے محبت ہے تو اس سے بھی ہمیں گلا نہیں ہے اور اگر آپ کو دولت سے محبت ہے کہ جس کو آپ نے جمع کر رکھا ہے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

حضرت مولانا تھانویؒ کا یہ جملہ میں نے خود سنا ہے اپنے کانوں سے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ مال کی محبت ہمارے دل میں بالکل ہی نہ ڈالتے تو ہم مال کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جہاں بیٹھتے وہیں بھول کے چلے جاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فی الجملہ مال سے محبت ہونی چاہئے۔ دیکھئے فاروق اعظم رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کا دور ہے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا اتنا بڑا ڈھیر پڑا ہوا ہے کہ ادھر کا آدمی ادھر کے آدمی کو نہیں دیکھ سکتا تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے اللہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا ہوں کہ اس کی محبت میرے دل میں نہیں ہے اس کی محبت ہے کیوں؟ اس لئے کہ اللہ نے اس کی محبت ہمارے خون میں ڈال دی ہے۔ آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی۔

زین للناس حب الشہوت اور فرمایا: اے اللہ! میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں کہ اس کی محبت میرے دل میں نہیں ہے لیکن اے اللہ میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اس ڈھیر میں جتنی خیر ہے وہ ہمیں مل جائے اور اس میں جتنا شر ہے اس سے ہمیں بچا۔

معلوم ہوا کہ مال میں خیر بھی ہے اور شر بھی ہے۔ خیر حاصل کیجئے اور شر سے پناہ مانگیے آگے فرمایا۔

وتجارۃ تخشون کسادھا

اور اگر آپ کو کاروبار سے محبت ہے کہ جس کے گھاٹے کا آپ کو ہر وقت اندیشہ اور خطرہ رہتا ہے تو ہمیں اس کی بھی کوئی شکایت نہیں۔ یہ تو قرآن کریم کی نہایت ہی مہذب زبان ہے۔

میں تو یہ کہوں گا کہ آج کل تاجروں پر بھوت سوار ہے اس طرح کہ ان کا دل و دماغ سب تبدیل ہو جاتا ہے۔ آپ کے ہاں نفع کی شرح اتنی لمبی چوڑی نہیں ہے ہمارے ہاں کے تاجروں کی نفع والی شرح یوں ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ دو سو پرسنٹ تین سو پرسنٹ چار سو پرسنٹ پانچ سو پرسنٹ نفع ہو۔ ہمارے ہاں ایک صاحب رمضان میں اپنی کار میں مجھے لے جا رہے تھے دیکھا کہ مسجد سے کافی تعداد میں لوگ نکل رہے ہیں۔ میں ڈر گیا ان کے کہنے سے اور آپ بھی سنیں گے تو حیران ہوں گے انہوں نے مسجد کی رونق کو دیکھ کر کہا کہ مجھے یہ خیال ہو رہا ہے کہ اللہ میاں کو پانچ سو پرسنٹ کا نفع مل رہا ہے لاحول ولاقوۃ۔

یعنی نفع کا بھوت اس پر ایسا سوار ہے کہ ثواب اور اسلام کی سربلندی کا نقشہ کھینچنا چاہتا ہے تو بھی اسی چکر سے جس میں وہ پھنسا ہے۔ اللہ کو کہہ رہا ہے کہ دیکھو اللہ میاں کو پانچ سو پرسنٹ نفع مل رہا ہے بہر حال آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہ واللہ لایھدی القوم الفاسقین۔

اور اگر اونچی اونچی عمارتیں اور محلات جو تمہیں اچھی لگتی ہیں ان سے محبت ہے تو بھی ہمیں کوئی گلا نہیں ہے۔ قدرتی طور پر انسان کو محلات سے محبت ہوتی ہے لیکن کہا گیا ہے۔

الا یاساکن القصر المعلیٰ ستدفن عن قریب فی التراب

لہ ملک ینادی کل یوم لدوا للموت وابنوا للخراب

اے اونچے محل میں رہنے والے آج جتنی بلندی پر تو رہ رہا ہے زمین کی اتنی ہی

کیرانی میں کل مجھے دفن کیا جائے گا۔ اب فہرست ختم ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ والدین سے محبت کریں آپ بیٹوں سے محبت کریں آپ بھائیوں سے محبت کریں آپ بیویوں سے محبت کریں بیویاں شوہروں سے محبت کریں آپ خاندان والوں سے محبت کریں آپ تجارت سے محبت کریں۔ محلات سے محبت کریں لیکن اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ اللہ اور رسول کی محبت کو ان سب سے اوپر رکھیں اور ان چیزوں کی محبت کو اس کے نیچے رکھیں۔

میرے دوستو! یہ ترتیب آپ کی زندگی میں باقی رہے گی تو انشاء اللہ نجات ہے۔ اگر آپ نے اس ترتیب کو بدل دیا تو بالکل اس کشتی کی طرح تباہی آئے گی جس کشتی میں پانی آ چکا ہوتا ہے یہ صحیح ہے کہ کشتی بغیر پانی کے چل نہیں سکتی ہے۔

لیکن کشتی کے نیچے پانی جب تک رہے گا اس وقت تک کشتی چلتی رہے گی اور جب کشتی کے اندر پانی آ جائے گا تو کشتی بھی تباہ ہوگی اور کشتی والے بھی اس لئے اللہ و رسول کی محبت کو ان سب پر مقدم بالا رکھیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو اسلام ترک دنیا کی تعلیم دیتا ہے نہیں بلکہ اسلام آپ کو دنیا کے استعمال کا طریقہ بتاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اللہ و رسول کی محبت سب سے بالا ہونی چاہئے اور ان سب چیزوں کی محبت اس کے نیچے ہونی چاہئے یہی صحیح ترتیب ہے۔ یہی صحیح طریقہ ہے یہی نجات کا راستہ ہے۔ اب میں رخصت چاہوں گا۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللھم ارنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین.

☆ ... انسان کی زندگی برف کی سل ہے قطرہ قطرہ ٹپک رہا ہے۔

☆ ... انسان تو بس وہی ہے جس میں جوہر امانت ہو۔

☆ ... ہدایت کا راز اللہ کے منشاء پر عمل کرنے میں ہے۔

☆ ... دنیا میں مسلمانوں سے بڑھ کر کوئی مہذب نہیں بن سکتا۔

☆ ... عورت امتوں کے انقلاب میں بہتر کردار ادا کر سکتی ہے۔

☆ ... ایک مسلمان بچے کے لئے ماں کی گود پہلا مکتب ہے۔

☆ ... مومن کی شان ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کو یاد کرتا ہے۔ (مولانا قاسم الحق)

تمت بحمد اللہ